مطبوعات جدیدہ

(۶) **التعلیق المختار**، فقہ حنفی کے مصنف اعظم امام محمد بن حسن شیبانی کی تصنیفات مین کتاب الآثار کو خاص فضل و مزیت حاصل ہی طحاوی کے بعد مخصوص احناف کے لئے اس سے بہتر کوئی حدیث و اثر کا مجموعہ نہین، فرنگی محل کے خاندان نے علوم و فنون کی جو بے شمار خدمتین انجام دی ہین اسی سلسلہ مین حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی ادام اللہ فیوضہ کی یہ تعلیق المختار بھی ہے جو امام محمد کی کتاب الآثار پر عربی زبان مین بحث و نقد و تعلیق ہی محشی نے علامہ ابن حجر کے مقدمہ فتح الباری کی پوری تقلید کی ہی اور اسی وسعت، جامعیت اور تبحر کے ساتھ کتاب الآثار کے تحشیہ و تعلیق کی خدمت انجام دی ہی، علاوہ دیگر مباحث فقہ و حدیث و تاریخ حنفیت، کتاب الآثار کے رجال کی کامل تحقیق فرما کر اس انحطاط اور یاس آفرین دور مین اگلے کارنامونکی یادگار قائم کی ہی، جزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء، حجم ۰۰ صفحہ

(۷) **کلید قرآن**، مولوی انیس احمد بی-اے، رکن دینیات علی گڈھ کالج، تین برس سے متواتر سال بسال کانفرنس کے مجمعون مین قرآن مجید کی علمی دعوت پر لکچر دے رہے ہین، امسال کانفرنس مین "صحابہ کرام اور قرآن مجید" کے عنوان سے جو طویل لکچر دیا تھا، اسکو لکچرر نے تحریری صورت مین چھاپکر شائع کیا ہی، مضمون نہایت تفحص اور تلاش سے لکھا گیا ہی لیکن ہم اپنے دوست کو مشورہ دینگے کہ آیات قرآنی کے استنباط اور قابل ماخذ کتب کے انتخاب مین اس سے زیادہ احتیاط سے کام لینگے، کاغذ و طبع اعلی، کتاب خود مصنف سے ملیگی

(۸) **پندنامۂ کاظم**، مولوی ابو ناظم محمد کاظم سراج گنجی نے پند و موعظت مین ایک فارسی مثنوی لکھی ہی مفہوم و معنی کی خوبی و لطافت مین شبہہ نہین، طرز بیان نہایت سادہ، لیکن مولانائے رومی کے غلط تتبع مین دیگر اخلاقی مثنوی گویون کی طرح الفاظ اور زبان کی صحت سے اسمین بھی قطع نظر کر لیا گیا ہی، قیمت ؎

مجلد اول | ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۱۶ء | عدد سوم

فہرس مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شذرات

ہمارے پاس جزیرہ ٹرینی ڈاڈ واقع غرب الہند امریکہ سے، تاجرانِ کلکتہ کے ذریعہ ایک استفتا آیا ہی، نفس استفتا کا جواب تو الگ ہی، لیکن اس ضمن مین خود جزیرہ کے متعلق بعض نہایت دلچسپ معلومات ہین، جزیرہ مذکور مین کل اقوام کی آبادی ۰۰۰، ۳۷۵ آبادی ہی، جسمین تقریبًا پندرہ ہزار مسلمان ہین، کسکو خیال تھا کہ اس دوردراز خطہ مین بھی محمد رسول اللہ کی اسقدر معتدبہ امت موجود ہوگی، یہ تعداد زیادہ تر ہندوستان کے مزدور پیشہ اشخاص کی ہی، اور کچھ وہ لوگ شامل ہین جو مسلمانون کی دعوت اور ہدایت سے مشرف باسلام ہوئے ہین، تعداد کا زیادہ حصہ نوشت و خواند سے محروم ہی، چند مسلمان ایسے بھی ہین جو کسیقدر تعلیم یافتہ ہین، وہ یہان اپنی استطاعت کے مطابق اشاعت اسلام کا فرض انجام دیتے ہین، عیسائی اور آریہ پہلوان یہان بھی برسرِ آزما ہین، لیکن یہی ضعفائے اسلام اُنکے مقابلہ مین بھی اُترتے ہین، اور صرف خدائے لایزال کے غیر مرئی دست و بازو کی اعانت سے وہ اکثر فاتحانہ میدان سے باہر آتے ہین، اور ہفتہ مین دو چار آدمی اپنے حلقہ مین داخل کر لیتے ہین،

جزیرہ مین چھیالیس مسجدین انھین مسلمان مشنریون کی کوشش سے تعمیر پائی ہین، اور بغیر مزد و اجرت صرف رضائے الٰہی کے لئے، امامت اور دیگر فرائض دینی ادا کرتے ہین، گورنمنٹ کی

امر فسے ایک غلمدانی اور مذہبی شخص یہان کے قاضی ہین، مسلمان انکے نہایت مداح ہین اور انکی نہایت عزت کرتے ہین،

ہمکو یہ دیکھکر مسرت ہوتی ہی کہ ملک مین خالص علمی چیزون کی تاسیس واشاعت کے سامان پیدا ہوتے جاتے ہین، دکن مین انجمن ترقی اُردو جناب مولوی عبدالحق بی، اے کی زیرادارت دوسال سے مفید تصنیفات کی اشاعت مین غیر معمولی مستعدی ظاہر کررہی تھی، اوراب پنجاب مین ہمارے دوست مولوی ظفرعلی خان بی۔اے سابق ایڈیٹر زمیندار ودکن ریویو، اور ہمارے صدیق محترم مولانا عبداللہ العمادی دائرۂ معارف شرقیہ قائم کررہے ہین، اُمید ہی کہ خداوند عالم ان بے لوث خدمتگذاران علم کو انکے ارادون مین کامیابی اور انکے کارنامون مین سعادت نصیب فرمائے،

غلام ہمت دُردی کشان یکرنگم | نہ آن گروہ کہ ازرق لباس و دل سیاہند

اہل یورپ کو ایجاد واختراع پر جو قدرت ہی، اسکا نمونہ نہ صرف عوامل مادی مین ہمکو ملتا ہی، بلکہ کتابون، تحریرون اور تالیفات مین بھی، سینٹ زویر کالج کلکتہ کے ایک لائق فادر نے ایک "عجیب وغریب جدید مسئلہ" کا اختراع کیا ہی یعنی یہ کہ شہنشاہ اکبر کی حرم مین مریم نامی ایک عیسائی خاتون بھی تھی ہم اس عجیب "اختراع تاریخی" کی ندرت سمجھنے سے قاصر ہین، اگر انکی تھیوری صحیح ہی تو ایک مسلمان شہنشاہ ہند کی محلسرا مین ایک عیسائی خاتون کو دیکھکر وہ اسقدر ششدر کیون ہین، انکو خلفاے بغداد کے ٹوٹے محلون، شاہان اُندلس کے برباد شدہ قصرون، اور سلاطین مصر کے منہدم ایوانون، اور قسطنطنیہ کے موجودہ حرم سراون مین "وصائف رومیات" کی وہ غیر معمولی قطار نظر آئیگی جو اُمید ہی کہ انکی قومی فرحت وانبساط کیلئے غیر معمولی سرمایہ ہو، اصل مضمون کی اشاعت کے بعد ہم اس موضوع پر مفصل تبصرہ لکھینگے،

مقالات

خوابِ تمنّا

دارالمصنفین کا تخیلۂ اعمال

بغداد کے دارالحکمہ کا تخیل ہندوستان کی سرزمین مین

دارالمصنفین کی حقیقت کی نسبت دو برس سے اخبارات مین بسلسلۂ مضامین جاری ہی، لیکن پیچھے مڑکر جو دیکھتے ہین تو اب بھی نشان یا معدوم، اور منزلِ مقصود کا پتہ مفقود پاتے ہین، اکثر احباب پوچھتے ہین کہ اس پریشان روی سے مقصود کیا؟

گاہ بردل زند وگاہ زند بر ایمان | مارِ زلفِ تو ندانم کہ چہ در سر دارد

جواب مین اپنی داستان کئی بار دہرا چکے ہین، تاہم موضوع ابتک محتاجِ تکرار ہی،

یک حرف بیش نیست غمِ عشق وین عجب | کز ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

ملک ملت کی ترقی ورفعت کے لئے مردانِ سوز و درد جو کچھ کررہے ہین وہ بہرحال سزاوار تحسین وآفرین ہی، لیکن اصل یہ ہی کہ ہم مین جو سب سے بڑی کمی ہی وہ یہ ہی کہ ہم مین اشخاص موجود نہین، اشخاص کو کون پیدا کرتا ہی، اتفاقیات سے قطع نظر کرلیا جائے تو یہ نسل صرف سنجیدہ اور صحیح خیالات کی پیداوار ہی، قومون کے خیالات کی تصحیح، اُنکے معلومات کی توسیع، اُنکے عیوب وامراض کی تشریح، اُنکے فرائض واعمال کی تذکیر، واقعات عالم پر اطلاع وعبور، بقاے قومیت کا انکشاف اسرار، اخلاق ومذہب کی دعوت وتعلیم جس شعبہ کو لو، اُس غیر ذی روح معلم اور اُس گنگ ناطق کا فیض اثر ہی جسکا نام کتاب ہی،

انسانیت کی تکمیل جن ذرائع سے عمل مین آئی ہی، وہ پیغمبرانہ قوت کے نتائج ہین، لیکن یہ قوت خود "کتاب مسطور" اور "صحف مطہرہ" کے ذریعہ ظہور مین لائی گئی ہی، حکمائے عالم کے خیالات نے دنیا مین جو تموج پیدا کیا ہی وہ بھی اسی دریائے زخار کی متواتر لہرین ہین، آج بڑا رونا یہ ہے کہ مذہب، زبان، فلسفہ، صناعت، اخلاق ہماری ترقی کے لئے جن قوائے نامیہ کی بھی ضرورت ہی انکے تغذیہ اور نشو ونما کے لئے ہمارے ہان کوئی سامان نہین،

یہ سچ ہی کہ ملک مین روز بروز تصنیف و تالیف کا مذاق پھیلتا جاتا ہی، اور لائق ارباب قلم پیدا ہوتے جاتے ہین، لیکن حقیقت یہ ہی کہ اس گروہ مین زیادہ تر تعداد ان لوگونکی ہی جنکو مصنف کی بجائے مضمون نگار یا انشاپرداز کہنا زیادہ موزون ہوگا،

اسکی وجہ یہ نہین کہ ملک مین اعلے درجہ کی تصنیف کی قابلیت نہین، بلکہ اصل وجہ یہ ہی کہ اعلے درجہ کی تصنیف کے لئے جو سامان، جو فراغ بالی، جو ذخیرہ چاہئے وہ مہیا نہین، ان مین سے اکثر حوصلہ مندون کے پاس کتابون کا ذخیرہ نہین جو انتخاب، استنباط، اور اقتباس کے کام مین آئے، اتفاق سے اگر کوئی مقامی کتبخانہ موجود ہی تو دلجمعی اور اطمینان خاطر کے اسباب نہین، ان باتونکے ساتھ کہین کوئی علمی مجمع نہین کہ ایک دوسرے سے استشارہ اور مبادلۂ افکار ہو سکے، اور خاتمہ یہ کہ اگر ان عوائق کی دیوارین ہٹ بھی جائین تو طبع و اشاعت کی راہ انکے لئے اسقدر دشوار اور ناقابل گذار ہی کہ اکثر ارباب حوصلہ ایک دوبارہ سے زیادہ حوصلہ آزمائی کی جرأت نہ کر سکے،

ان مشکلات اور دقتون کے حل، تصنیف و تالیف کی ترقی، اور ملک کے خیالات کی توسیع و تصحیح کے لئے ضروری ہی کہ ایک **دار التصنیف** قائم کیا جائے،

(۱) جس کے احاطہ مین ایک وسیع کتبخانہ ہو،

(۲) مصنفین کی اقامت و سکونت کے لئے جسمین مسلسل عمارات اور حجرے ہون،

(۳) جہان مصنفین کی دلجمعی اور اطمینان خاطر کے لئے وظائف کا سامان ہو،

(۴) جہان طبع و اشاعت کے اسباب مہیا ہون،

ہم نے ان خطرات کی راہ مین جہان تک مسافت سفر طے کی ہی اسکی تفصیل حسب ذیل ہی،

کتبخانہ — دار المصنفین کا کتبخانہ مشرقی و مغربی علوم کا مجمع البحرین ہونا چاہئے، مغربی تصنیفات کا ذخیرہ ہمارے پاس نہایت ہی قلیل ہی، انسائکلوپیڈیا اور ورلڈ ہسٹری کے علاوہ قدیم تاریخ، قانون اور بعض لٹریری تصنیفات نیز مذہب اسلام اور آنحضرت صلعم کے متعلق تمام کتابین تو ہمارے پاس موجود ہین، لیکن علوم و فنون کی تصنیفات ہمارے پاس ایک دو کے سوا مطلقاً نہین اس حصہ کو ابھی بہت کچھ ترقی دینا ہی، کم از کم اسقدر ضروری ہی کہ ہر علم و فن پر انگریزی کی ایک دو مستند کتابین موجود رہین،

مشرقی علوم کی تصنیفات مین فارسی کا سرمایہ بھی مختصر ہی لیکن گرانمایہ ہی، عنقریب لگ ببرزا اور ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات سے اس مین خاطر خواہ اضافہ ہو جائیگا،

عربی زبان مین **تفسیر و حدیث** کی تمامتر مطبوعہ کتابین موجود ہین، **اسماء الرجال** کا سلسلہ بھی مکمل ہی، معقولات و ریاضیات کی تعداد کم ہی، **ادب و لغت** کی شاید ہی کسی نادر تصنیف کی ہمارے ذخیرہ مین کمی ہو، **تاریخ** کا سرمایہ بھی ایک حد تک مغتنم ہی بعض کتابونکی حاجت ہی، وہ عنقریب پوری ہو جائیگی،

چند قلمی اور نایاب کتابین بھی کتبخانہ مین موجود ہین،

امید ہی کہ پانچ ہزار کی رقم اگر میسر آجائے تو ایک حد تک انگریزی علوم کی کتابین اور تمامتر مشرقی تصنیفات ہمارے کتبخانہ مین مجتمع ہو جائینگی، بالفعل ہم صرف مجلس روپیہ ماہوار کتبخانہ کی ترقی و اضافہ پر صرف کر رہے ہین،

بیوت المصنفین

بڑے شہرون مین ہمکو اس ابتدائی حالت مین مشکل زمین مل سکتی تھی، لیکن یہان بیرونِ شہر آبادی سے کسیقدر متصل ۱۰ بیگہ زمین ہمکو مل گئی ہی جو مخصوص دار التصنیف اور دیگر علمی ضرورتون کے لئے وقف کردی گئی ہی، اس زمین کے اندر دو بنگلے پہلے سے بنے تھے، ایک خود مولانائے مرحوم کا تعمیر کردہ تھا، اور جو بالفعل لائبریری ہال ہی، دوسرا بنگلہ کسیقدر ترمیم کے ساتھ سکریٹری کا آفس ہی، ہال کے اطراف اور گوشون مین متعدد حجرے اور کمرے ہین، جہان مصنفین اور رفقا قیام پذیر تھے، لیکن یہ مسکن انکے لئے کچھ زیادہ مناسب نہ تھا،

مئی ۱۹۱۶ء مین مجموعاً کئی ہزار کی رقم ہمکو مل گئی ہی، ہم نے سب سے پہلے بیوت المصنفین کا سلسلہ شروع کردیا، ستمبر مین یہ تعمیر تکمیل کو پہونچگئی، مسلسل پانچ کمرون کی ایک قطار ہے، سامنے برآمدہ ہی، داہنے بائین غسلخانے ہین، وسط سلسلہ مین کہانے کا کمرہ ہی، بیوت المصنفین کے دوسرے پہلو پر دار المصنفین کا آفس تعمیر ہوا ہی، یہ تمام مکانات پختہ، بلند اور مستحکم و خوبصورت بنے ہین، آفس کے پہلو مین کسی قدر خام عمارات کا سلسلہ ہی جو دار الاشاعہ اور دار الطباعہ کا سلسلہ تعمیر مین ہمکو سب سے زیادہ ایک مستحکم، پختہ، وسیع، روشن اور ہوادار عمارتِ کتبخانہ کی ضرورت ہی، جہان کتابین اتفاقات سے محفوظ رہ سکین، اور ہر موسم مین جہان بیٹھکر مصنفین کام کرسکین، اس عمارت پر تقریباً پندرہ ہزار صرف آئیگا،

خدا کے فضل وعنایت سے امید ہی کہ آئندہ موسم سرما مین، دار المصنفین کا وفد دردمندان ملک کی خدمت مین پیش ہوگا تو قدر شناسان شبلی کی بحمد اللہ ملک مین اتنی تعداد ہی کہ شاید وفد کو اپنی کامیابی کے لئے زیادہ سرگردان ہونا پڑے،

وظائف اور سرمایۂ مالی

یہ وہ ضرورت ہی جسکے بغیر دین و دنیا کی کوئی تحریک سرسبز نہین ہوسکتی، ابتک عام اور پبلک چندون نے ہماری کوئی اعانت نہین کی، ... نہ ہم نے اسکے لئے کبھی دست طلب

بڑھایا، ہمارے سرمایۂ مالی کے چار ذرائع ہین،

(۱) حیدرآباد و بھوپال کی اعانت ماہانہ، ۵۰۰ ماہوار

(۲) جائداد موقوفہ کی آمدنی، ۱۵۰ سالانہ (تقریباً)

(۳) ممبرون کے سالانہ چندے، ۳۰۰ سالانہ (تقریباً)

(۴) دار الاشاعہ کا منافع، ۲۰۰ سالانہ (تقریباً)

بالفعل تقریباً تین سو ماہوار رفقا اور مصنفین کے وظائف پر صرف ہوتا ہی، پچیس ماہوار کتبخانہ کے لئے مخصوص ہی، اور تقریباً پچاس ماہوار انتظامی اشخاص اور دفتر کے لئے، بہرحال ہمارے پاس اسوقت اتنا سرمایہ ہی کہ تین مشرقی اور مغربی علوم کے مصنفین، اور چار رفقائے تصنیف (فیلو) کسیقدر ایثار کے ساتھ باطمنان گذار سکتے ہین،

دار الاشاعہ

دار الاشاعہ کے لئے چند کمرون کی قطار ہمارے پاس ہی، جو خزانۃ الکتب (بک ڈپو) ہی اسی احاطہ مین ایک پریس قائم کیا گیا ہی جو ابھی ابتدائی مراحل مین ہی، سنہ ۱۷ء تک امید ہی کہ یہان نہین آجائے، اسوقت دار الاشاعہ کو اپنی کامیابی کے لئے بہترین موقع ہاتھ آئیگا، تمام ہندوستان مین خالص مصنفین کے لئے بغیر تاجرانہ ارادہ و نیت کوئی پریس قائم نہین، اگر ہماری کامیابی ہمارے حوصلہ کے مطابق ہوئی تو امید ہی کہ یہ سب سے بڑی کمی دار الاشاعہ سے پوری ہوجائے، بعض دوستون کی رائے ہی کہ ہمدرد وغیرہ کی طرح پبلک کے مشترک سرمایہ سے پریس کو ترقی دیجائے، لیکن ہمارا جواب یہ ہی کہ اولاً ہمکو ہندوستان مین مشترکانہ کامون کی کامیابی سے ناامیدی ہی ثانیاً اگر پبلک کی شرکت بغرض منافع ہو تو اس سے اصلی غرض مفقود ہوجائیگی، اور ایسے اشخاص کا وجود جو اخلاصِ نیت کے ساتھ بلا ارادہ مزد و فوائد مالی شرکت فرمائین، کبریت احمر سے نادر تر ہی،

خزانۃ الکتب (بک ڈپو)، مین اسوقت تک صرف مولانائے مرحوم اور دار المصنفین کے

ممبرون کی تصنیفات ہین، ارادہ یہ ہی کہ ایک اُردو کے خیار الکتب (سلکٹڈ بکس) کی تجویز عمل مین لائی جائے، یورپ مین جہان ہر روز سیکڑون کتابین ہر فن پر شائع ہوتی ہین، ایک شخص تمام کتابونکو تو نہین خرید سکتا اور نہ عام کُتب فروشون سے معلوم کرسکتا ہی کہ ان مطبوعاتِ یومیہ مین بہترین کتابین کون ہین، وہان قاعدہ یہ ہی کہ بعض معتمد فضلائے عصر کے ایما سے خیار الکتب کی فہرست شائع ہوتی ہی اور صرف اُنکے مذاق کے اعتماد پر لوگ ہر فن کی وہی کتابین منگواتے ہین جو اِس فہرست خیار الکتب مین درج ہوتی ہین، ہندوستان مین بڑی مشکل یہ ہی کہ اچھی کتابین بہت دیر مین نکلتی ہین اور خریدارونکو دیر مین خبر ہوتی ہی، اگر ۵۰۰ خریدارون کے نام تیار ہون تو پھر اس راہ مین کوئی دقت پیش نہ آئے،

ہندوستان کی خربازاری مین جہان گوہر و خزف ایک ہی دام بکتے ہین، اور پریس کی سہولتون نے ہر قلم گیر کو مصنف کا درجہ عطا کردیا ہی، دارالاشاعہ اور فہرس خیار الکُتب نہایت ضروری شے ہے، اس بنا پر ارادہ ہی کہ اُردو کی تمام مستند تصنیفات دارالاشاعہ مین جمع کیجائین، اور انکی یورپین کیٹلاگ کے طریقہ پر فن وار ایک فہرست ترتیب دیجائے، اِس سے یہ بھی معلوم ہوسکیگا کہ اسوقت ہماری زبان مین کیا سرمایہ ہی اور کام کتنا ہوچکا ہی،

دارالتصنیف | ہم چند فقرائے ملت نے اپنے حوصلہ سے بلند تر وہ فرائض اپنے سر لئے ہین جو صرف شاہانہ ہمتون کے شایانِ شان تھے، فحملها الانسان انه کان ظلوماً جھولاً ۝

۱- ہمارا مقصد صرف اُردو زبان کے سرمایہ کی ترقی نہین ہی بلکہ اولاً ملک مین ایک ایسی جماعت پیدا کرنا ہی جو قوم کی دماغی قوتون کے نشو و نما کا سامان کرسکے،

۲- اسلامی علوم و فنون اور علمائے اسلام کی قدیم نادر تصنیفات کو بربادی اور گم شدگی سے بچانا اور اگر ممکن ہو تو اُسکے طبع و اشاعت کا سامان کرنا،

۳- مشرقی اور مغربی علوم پر اپنی زبان مین مستند تصنیفات کا وجود،

دارالتصنیف مین اسوقت صرف دو فیلو (رفیق) ہین، مولوی معین الدین ندوی، یہ ندوہ کے فارغ التحصیل ہین، مذاق صحیح رکھتے ہین، اور مولانائے مرحوم کے عہد سے سلیقۂ تحریر و تصنیف کی تعلیم حاصل کررہے ہین، مولوی محمد سعید انصاری، اُنھون نے کانپور کے مدارس مین تعلیم حاصل کی ہے لیکن قدرت کی فیاضیان دشت و چمن مین ہر جگہ یکسان نظر آتی ہین، تقریباً ایک سال سے وہ دارالتصنیف مین قیام پذیر ہین، ان دونون عزیزون کی تحریرین عام اخبارات، اور خود معارف مین نکلتی ہین، اُنسے معلوم ہوگا کہ آیندہ اُنسے کیا توقع کیجاسکتی ہی،

عنقریب دارالتصنیف مین دو اور رفیقون (فیلوز) کا اضافہ ہوگا،

اسلامی علوم و فنون اور علمائے اسلام کی قدیم نادر تصنیفات کا تحفظ ایک عام کتبخانہ کی تاسیس سے ممکن ہی، اور وہ قائم ہوچکا ہی، ان مین سے مفید و نادر تصنیفات کے طبع و اشاعت کا سامان ایک بڑے سرمایہ کا طالب ہی کہ ملک مین ان کتابونکی مانگ کم ہوگی، تاہم اگر دو سوا ایسے خریدار پیدا ہوجائین جو اس قسم کی ہر کتاب کو فوراً خریدنے پر آمادگی ظاہر کرین تو کسی حد تک مشکل آسان ہوجائیگی

مشرقی اور مغربی علوم پر مستند کتابون کی تالیف تصنیف ہی ایسا کام ہی جو ہمارے موجودہ تخیلات کا محور ہی، ابھی دارالمصنفین کی عمر صرف دو برس کی ہی، مستند اور عمدہ کتابونکی تصنیف کیلئے ایک دو برس کی مدت کافی نہین، برسون صرف ایک موضوع کے لئے کتابونکی ورق گردانی، خیالات کی ترتیب، اور نتائج کے استنباط مین صرف ہوجاتے ہین،

ہم نے یہ بھی طے کرلیا ہی کہ متفرق رسائل کی بجائے مسلسل تصنیفات پر زیادہ زور دیا جائے متفرق رسائل کا تو ہر جگہ انتظام ہوسکتا ہی اور ہوتا ہی لیکن کسی طویل المسلسلہ تصنیف کی بہت کم ہمت کیجاسکتی ہی، درمیان مین موقع موقع سے بطریق شذرات متفرق تصنیفات بھی معرضِ تحریر مین آئینگی، مشرقی تصنیفات کے سلسلہ مین ہمارے ہان ابھی کام سیرۃ نبوی اور سیر الصحابہ کی

تکمیل وتحریر ہی، اور یہ کام مسلسل انجام پا رہا ہی، اگر یہ دونون کام ہمارے منتہاے خیال کے مطابق تکمیل کو پہونچگئے تو ہم ایسا نمونہ پیش کرینگے جسکی نظیر اسلام کے تمام علمی تاریخ مین کہین نہین ملیگی،

اسکے ساتھ متفرق رسائل بھی لکھے جاتے ہین، ارض القرآن، اور سیرۃ عائشہ، پہلی کتاب ۱۵۰ صفحہ کے بقدر چھپ چکی ہی اور دوسری تصنیف کے آخری ابواب زیر تحریر ہین،

سیر الصحابہ ایک عظیم الشان سلسلۂ تصنیف ہی، اگر یہ فرض باحسن وجوہ ادا ہو جائے تو ایک بڑی اسلامی خدمت بن جائیگی، سیر الصحابہ کے موضوع، اور خصوصیات کے متعلق ایک الگ مضمون کی ضرورت ہی، اس سلسلہ کے اختتام کے بعد ہندوستان کی ایک محقق اور مستند تاریخ کا مسئلہ ہی، علوم اسلامیہ کی تاریخ پیش نظر ہی، ایک اسلامی انسائکلوپیڈیا لکھنا ہی، تاریخ اسلام یعنی اسلام کی تیرہ سو برس کی سیاسی تاریخ بھی ضروری چیز ہی، ہیروز آف اسلام کی تکمیل بھی کچھ کم ضروری نہین، اکابر علماے اسلام کی سوانح عمریان لکھنا قرآن مجید کے مختلف پہلوؤن پر گفتگو کرنا ہی،

مغربی تصنیفات کے سلسلہ مین ابھی صرف ایک کتاب قابل ذکر ہی، انقلاب الامم، موسیو لی بان جسکی تمدن عرب گھر گھر پھیلی ہی، اسکی فرنچ تصنیف ہی، مصر کے ایک نامور فاضل نے اسکو عربی مین منتقل کیا، قومون کے عروج وزوال، اور موت وحیات کے اصول، اور انکی ترقی و انحطاط کے قانون نہایت دلچسپ پیرایۂ بیان وطریقۂ استدلال مین ادا کئے ہین، ہمارے لائق دوست مولانا عبد السلام ندوی نے اسکو اپنی مخصوص طرز تحریر مین اُردو کا جامہ پہنایا ہی اور اُس پر ایک وسیع مقدمہ لکھکر قرآن مجید کی آیات اور مسلمان مورخین کی تصریحات سے دکھایا ہی کہ اس موضوع کے متعلق اسلام کے پاس کیا سرمایہ موجود ہی،

مغربی علوم کے سلسلہ کے متعلق بڑی دقت یہ پیش ہی کہ وہ کس اصول سے شروع کی جائے تقریبًا یہ طے شدہ ہی کہ منتشر رسالون کی بجائے اس مین بھی تدریج وتسلسل وجامعیت کا لحاظ رکھا جائے

ابتک ہمارے ہان یہ ہوتا آیا ہی کہ کبھی فلسفۂ تعلیم پر کسی کتاب کا ترجمہ ہو گیا کبھی سائنس کے ایک نہایت چھوٹے ٹکڑے پر ایک کتاب لکھوادی، اُردو کی دریوزہ گری ان کوڑیون سے نہین جائیگی، ہم کو نہایت سنجیدگی سے پہلے جدید علوم وفنون کی ایک فہرست طیار کر لینی چاہیے اور تقدم وتاخر کی ترتیب تدریجی کے بعد ہر علم وفن پر ایک متوسط الحجم کتاب لکھوانی چاہیے،

تمام ہندوستان مین اس غرض کے لئے آنریبل مولانا سید کرامت حسین سے بڑھکر کوئی شخص ہمکو نہین مل سکتا، مولانائے موصوف نے ازراہِ عنایت جو تجویز اسکے لئے قرار دی ہی انھین کے الفاظ مین حسب ذیل ہی: عقلیات کو حسب ذیل تقسیم فرمائیے،

(۱) **نطقیات** - اسکو منطق پر ترجیح ہی علوم کے نام مین یکسانی ہوتی ہی،

(۲) **حسابیات** - ادائے مفہوم مین ریاضی سے بہتر ہی،

(۳) **سماویات** - فلکیات اور ہیئت دونون سے بہتر ہی،

(۴) **ارضیات** - اس مین جغرافیہ طبعی وسیاسی وفزیاگرافی وجیالوجی وغیرہ داخل ہین،

(۵) **طبعیات** - علم الحرکۃ والسکون، حرارت، آواز، برق، نور، مقناطیس وغیرہ داخل ہونگے

(۶) **عنصریات** اسکو کیمیا پر ترجیح، اول تو یہ پتہ ملتا ہی کہ عناصر سے بحث ہی، دوم اسامی علوم مین یکسانی ہوتی ہے،

(۷) **حیاتیات** اسمین علم نباتات وحیوانات وتشریح وعلم عمل الاعضا وغیرہ داخل ہونگے،

(۸) **نفسیات** یہ سائیکالوجی کا مرادف ہے،

(۹) **قومیات** سوشیالوجی کا مرادف ہی، اس مین تمام وہ علوم داخل ہونگے جو انسان سے بحالت اجتماع بصورت قوم باحث ہین، علم الاخلاق وغیرہ اسمین داخل ہونگے

ہمارے ایک فاضل دوست جنکا نام انکی اجازت کے بغیر لینا انکے مجموعۂ تحریرات کا ایک

سنگین جرم ہی اس فہرست میں حسب ذیل ترمیم و اضافہ چاہتے ہین،

(۱) فلسفیات:

(۱) الٰہیات (تھیالوجی) (۴) منطقیات (لاجک) (۷) اجتماعیات (سوشیالوجی)

(۲) علمیات (اپسٹالوجی) (۵) نفسیات (سائیکالوجی) (۸) اقتصادیات (اکانمی)

(۳) اخلاقیات (اتھکس) (۶) جمالیات (استھیٹکس) (۹) سیاسیات (پالٹکس)

(۲) حکمیات:

(۱) حیاتیات (بیالوجی) (۳) تشریحیات (اناٹمی) (۵) نباتیات (بوٹنی)

(۲) عضویات (فزیالوجی) (۴) حیوانیات (زوولوجی) (۶) عنصریات (فزکس)

اس خواب کو سُنکر احباب کو گھبرانا نہ چاہیئے۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگران نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد

قرآن مجید پر تاریخی اعتراضات

(۲)

مریم بنت عمران، اخت ہارون

مریم قرآن مجید کے دیگر مقدس نامون کی طرح، عبرانی زبان کا لفظ ہی، اسکے لغوی معنی "ستارۂ بحر" کے ہین، بائبل مین یہ دو عورتون کا نام ہی، حضرت موسیٰ اور ہارون بن عمران کی بہن کا بھی نام مریم تھا اور حضرت عیسیٰ کی ماں کا نام بھی مریم ہے، پرستاران مریم کا بیان ہی کہ قرآن نے ان دونون شخصیتونکو ایک سمجھکر دونون کے نام و نسب باہم مختلط کردیئے ہین، قرآن نے حضرت عیسیٰ کی ماں مریم کو عمران کی بیٹی اور ہارون کی بہن قرار دیا ہی، جیسا کہ اسکی حسب ذیل آیتین ظاہر کرتی ہین،

مریم بنت عمران التی احصنت فرجها (تحریم)	عمران کی بیٹی مریم جو پاکدامن اور عفیف تھی،
اذ قالت امرأة عمران انی نذرت لك ما فی بطنی محررا (آل عمران)	عمران کی بیوی نے جب کہا کہ جو کچھ میرے شکم مین ہی مین خدا کے نام پر اسکو چڑھاتی ہون،
یا اخت هارون ما کان ابوك امرأ سوء وما کانت امك بغیا ( )	اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا اور تیری ماں بدکردار تو نہ تھی۔

تحقیقی جواب تو الگ ہی لیکن ہم اپنے معترضین سے دست بستہ عرض کرینگے کہ خدارا جو جی چاہے کہئے، مگر اسلام پر "دو کو ایک اور ایک کو دو" کہنے کا الزام تو نہ قائم کیجئے، اس لاینحل فلسفۂ اعداد کو اپنے ہی تک محدود رکھیے تو بہتر ہی، مورخین اسلام مین ایک مصنف کا نام حمزہ ہی جسکی تاریخ ملوک الارض ہے، یورپ کا مایۂ ناز مشرقی محقق دی باربیلاٹ جانتے ہو اسکو کیا سمجھا ہی؟ حمزہ بن عبد المطلب سید الشہداء!!

بہر سوے متاع عقل و دانش ابتر افتادہ است — بہ غارت برو باز آن چشم پرفن کاروانے را

ہمکو تسلیم ہی کہ حضرت موسیٰ اور ہارون کی بہن کا نام بھی مریم تھا، اور اُنکے باپ کا نام عمران (عبری عمرام) تھا،
لیکن یہ کیونکر معلوم ہو سکا کہ حضرت مسیح کی ماں مریم کے باپ کا نام عمران اور اُنکے بھائی کا
نام ہارون نہ تھا حضرت مریم کے خاندانی حالات کے متعلق انجیلون میں ایک حرف مذکور نہین
اُنکے متعلق صرف اسیقدر معلوم ہی کہ وہ "خداوند کی ماں" تھین، پھر وہ کونسی شہادتین ہین جنکی بنا پر
قرآن مجید کے دعوے کی تردید کیجاتی ہی، اگر مسیح سے ۳۰۰ برس پہلے ایک مقدونیہ کا الگزنڈر تھا
جسکے باپ کا نام فلیپ تھا تو کیا اس واقعہ سے اسکی تکذیب کرنا چاہتے ہو کہ بیسوین صدی کے
لندن مین اب کوئی الگزنڈر نامی شخص ایسا نہین ہو سکتا جسکے باپ کا نام فلیپ ہو، تاریخ مین ایسے
بیسیون خاندان کا ہم پتہ دیسکتے ہین جو گذشتہ تاریخی اور مذہبی اکابر کے نام تبرکاً استعمال کرتے ہین،

اسلام پر آج جتنے اعتراضات کئے جاتے ہین، عجیب بات یہ ہی کہ گو الفاظ کسیقدر بدل
جائین، تعبیر اور طرز ادا مین کتنا ہی فرق آجائے لیکن مفہوم اور مغز سخن کے لحاظ سے وہ وہی ہین جو
تیرہ صدی پہلے خود انھین کے برادران ملت کی زبانی بارہا دُہرایا جا چکا ہی چھٹی صدی مسیحی مین نجران
جو یمن کا ایک ضلع ہی، خالص عیسائی آبادی تھی، آنحضرت صلعم نے مغیرہ بن شعبہ کو وہان دعوت
اسلام کے لئے بھیجا تھا وہ بیان کرتے ہین،

بعثنی النبی صلعم الی نجران، فقالوا الی الستم تقرؤن یا اُخت ھارون، وقد کان بین موسیٰ وعیسیٰ ما کان فلم ادر ما اجیبھم فرجعت الی النبی صلعم فاخبرتہ فقال الا اخبرتھم انھم کانوا یسمّون بانبیائھم والصالحین قبلھم	مجھکو آنحضرت صلعم نے نجران بھیجا، ان لوگون نے کہا کہ تم لوگ یہ آیت نہین پڑھتے کہ "اے ہارون کی بہن" اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ کے درمیان کتنا زمانہ حائل ہی، مین یہ سمجھ سکا کہ مین انکو کیا جواب دون، جب لوٹ کر آپکی خدمت مین حاضر ہوا تو انکا اعتراض عرض کیا، فرمایا تم نے یہ نہین کہا کہ یہ لوگ اپنے پیغمبرون اور گذشتہ بزرگون کے نام پر نام رکھا کرتے تھے

[1] توراۃ سفر العدد ۲۶-۵۹ [2] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا، آرٹیکل میری، [3] صحیح ترمذی، تفسیر سورہ مریم،

اور آج بھی ہم یہی جواب دیتے ہین اور یہی کافی ہی،

مزید تفصیل کے لئے ہم یہ بتانا چاہتے ہین کہ قرآن اس حقیقت سے ناواقف نہین ہی،
اس نے ہر جگہ حضرت عیسیٰ کا نام حضرت موسیٰ کے بعد اور انجیل کا ذکر توراۃ کے بعد کیا ہے، سورہ
مائدہ کی پانچوین رکوع مین بتصریح اس نے بتایا ہی کہ حضرت موسیٰ کی ایک مدت بعد حضرت عیسیٰ
مبعوث ہوئے، ثم قفینا علی آثارھم بعیسی بن مریم، اسی قسم کی تصریح سورہ صف سے سمجھی جاتی ہی،
اس عام بحث و نزاع کے بعد اب ہم اعتراض کے الگ الگ ٹکڑون پر گفتگو کرتے ہین،

مریم بنت عمران — قرآن مجید نے سورہ مریم اور سورہ تحریم دو مقام پر حضرت مریم کے باپ کا نام
عمران بتایا ہی، یہ واقعہ ہی، اس واقعہ کے خلاف تمام عالم امکان مین کیا شہادت موجود ہے،
کیا دنیا کی عظیم الشان لائبریریون، وسیع کتبخانون، غیر محدود کتابون، اور لامتناہی اوراق کا ایک
حرف بھی اسکی تردید کے لئے پیدا ہی، سعدی کا دعوے جھوٹا نہین،

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست — کتبخانہ چند ملت بہ شست

اناجیل، اعمال، خطوط، عیسائیت کے بے پایان دفتر کے یہی تین اُصول ہین، لیکن انمین
یہ کہین مذکور ہی کہ مریم کے باپ کا نام کیا تھا؟ بلکہ ہم اور آگے بڑھتے ہین کیا ان مین یہ بھی مذکور ہی کہ
انکا باپ کون تھا؟ ہمارے چیلنج کا ایک قدم اور آگے بڑھتا ہی کیا ان مین یہ بھی مذکور ہی کہ انکا کوئی
باپ بھی تھا، اور حق بھی یہ ہی کہ "خداوند کی ماں" کا کوئی باپ نہ ہو،

انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کے مصنفین لکھتے ہین:

"پہلی صدی مسیحی کی کسی تاریخی یادداشت مین اُنکے والدین کے متعلق کچھ مذکور نہین ہے"

ان حالات کے ساتھ جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ لوگ اپنی اولاد کا نام عموماً والدین کے
نام سے کسی تناسب کی بنا پر رکھتے ہین، تو اگر بیٹی کا نام مریم تھا تو قرینہ دلالت کرتا ہی کہ گذشتہ مقدس

مریم کے باپ عمران کی مناسبت سے ان مریم کے باپ کا نام بھی عمران ہو، اور عجب نہین کہ اسی
تاریخی تناسب کی بنا پر حضرت مریم کے باپ عمران نے اپنی بیٹی کا نام مریم رکھا ہو،

اخت ہارون | گذشتہ بے ثبوت نام کی طرح اس نام کے متعلق بھی ہماری تحدی اور چیلنج کا صور اسی زور
اور شدت کے ساتھ بلند ہی، اگر قرآن مین اس موقع پر "اخت" سے واقعاً بہن مراد ہی تو تمام انجیل مین اسکے
خلاف ایک حرف بھی موجود نہین ہی، لیکن اصل یہ ہی کہ یہان "اخت" سے بہن کا رشتہ مراد نہین ہے
چنانچہ آل عمران مین حضرت مریم کی جو دعا مذکور ہی، کہ "خداوندا میرے شکم مین جو اولاد ہی اسکو تیری خدمت کیلئے
نذر کرتی ہون، جب وضع حمل ہوا تو لڑکی (مریم) پیدا ہوئی، بولین کہ خداوندا لڑکی پیدا ہوئی، اور لڑکی لڑکے کے
برابر نہین"، اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ حضرت مریم کے کوئی بھائی نہ تھا ورنہ وہی قربانگاہ پر نذر کیا جاتا،
اصل یہ ہی کہ اخت ہارون" کی حقیقت سمجھنے مین لوگون نے غلطیان کی ہین، استعمال عرب کے
مطابق "ہارون" سے مراد خاندان و قبیلہ ہارون ہی، بکر، سعد، وائل، اسد، نزار سے مقصود اشخاص نہین
قبائل و خاندان ہین، قبائل کی طرف عموماً اہل عرب جب "اخ" یا "اخت" کا لفظ مضاف کرتے ہین
تو اس سے مقصود اس قبیلہ کا ایک فرد ہوتا ہی، یا اخا قریش جب عرب بولے گا تو شخص قریش کا بھائی
مراد نہو گا بلکہ قبیلہ قریش کے ایک ممبر کو خطاب سمجھا جائیگا، حدیث مین ہی "ابن اخت القوم منہم" قبیلہ کی
بہن کے بیٹے کا شمار اسی قبیلہ مین ہوگا" وہ کون طرفۃ العجائب عورت ہوگی جو کل قبیلہ کے قبیلہ کی بہن ہو،
اس سے مقصود قبیلہ کی ایک عورت ہی اور بس، یہ استعمال عرب مین اسقدر شائع و ذائع ہی کہ ذی روح سے
نکل کر غیر ذی روح تک کے لئے استعمال ہوتا ہی مثلاً اخا العلم، اخا الجہل وغیرہ،
لوقا کی انجیل (۱-۳۶) مین ہی کہ الزبتھ حضرت یحییٰ کی مان اور حضرت مریم باہم رشتہ دار تھین (۵) مین ہی کہ
وہ ہارون کی بیٹی تھین۔ اس سے واضح ہوگا کہ حضرت مریم بھی خاندان ہارون سے تھین، دیکھو انجیل کی اس
اصطلاح مین بھی بیٹی سے حقیقی بیٹی مراد نہین، ورنہ کہا جاسکتا ہی کہ انجیل مریم اور حضرت ہارون کو ہم عہد قرار دیتی ہے۔

عمارات الاسلام

حریم قدس

یعنی

مسجد نبوی

(۲)

عہد فاروقی | رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد ہی مسجد کے توسیع و اضافہ کی ضرورت
پیش آئی، امام مالک نے ثقات سے روایت کی ہی کہ "لوگ جمعہ کی نماز مین آتے تھے تو مسجد کی
تنگی کی بنا پر ازواج مطہرات کے حجرون مین جاکر نماز پڑھتے تھے"[1] لیکن باایں ہمہ حضرت ابوبکرؓ کے
عہد خلافت مین کسی قسم کا اضافہ نہین کیا گیا، انھون نے صرف اسقدر کیا کہ مسجد کے ستون
گھن گئے تو انکی جگہ کھجور کے نئے ستون لگوادیئے[2] لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جب مسلمانونکی
تعداد مین غیر معمولی اضافہ ہوگیا تو انھون نے توسیع مسجد کی طرف خاص توجہ کی، مسجد کے
آس پاس ازواج مطہرات کے جو حجرے تھے اُس مین تو کسی قسم کا تصرف نہین کیا جاسکتا تھا لیکن
اور جن لوگون کے مکانات تھے وہ خرید لئے اور انکو نہایت فیاضانہ قیمتین دین، چنانچہ مسجد کے متصل
حضرت جعفر بن ابی طالب کا ایک مکان تھا، حضرت عمرؓ نے اُس کا نصف حصہ شامل مسجد کرلیا،
اور انکو ایک لاکھ قیمت دی[3]، صرف حضرت عباسؓ کا مکان رہ گیا تھا، حضرت عمرؓ نے اُنسے توسیع
مسجد کی ضرورت بیان کی اور کہا کہ مین نے اور لوگون کے مکانات تو خرید لئے ہین صرف ازواج
مطہرات کے حجرے اور آپکا مکان رہ گیا ہی، ازواج مطہرات کے حجرون مین تو کوئی تصرف نہین کیا
جاسکتا، لیکن آپ اگر اپنا مکان بیچنا چاہین تو بیت المال سے قیمت دلوائی جاسکتی ہی، آپ مدینہ مین

[1] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۲۷، [2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی بناء المساجد، [3] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۳۳،

جہان چاہین وہان زمین دیسکتا ہون اور اس جگہ آپکا مکان تعمیر کرا سکتا ہون، اور اگر آپ کو یہ منظور نہین ہی تو اُسکو مسلمانون پر وقف فرما دیجیے" لیکن اُنھون نے ایک شرط بھی منظور نہین کی، اور کہا کہ یہ رسول اللہ کا عطیہ ہی، خود آپ نے اس زمین کو متعین فرمایا اور ہمارے ساتھ مکان کی تعمیر مین شریک ہوئے" انکو اس پر اسقدر اصرار تھا کہ اُنکے گھر کا ایک پرنالا مسجد مین گرتا تھا، ایکدن انکے ہان دو چوزے ذبح ہوئے، حضرت عمرؓ نماز جمعہ کے لئے کپڑے بدل کر نکلے تو کسی نے گوشت کا دھوون پھینکا جو حضرت عمرؓ کے اوپر پڑا، وہ پلٹ کر آئے اور دوسرا کپڑا بدل کر نماز پڑھائی، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد پرنالے کے ہٹا لینے کا حکم دیا، حضرت عباس بولے "اسکو تو خود رسول اللہ صلعم نے قائم کیا تھا" فرمایا "نہین، خدا کی قسم میری پیٹھ پر سوار ہو لو اور جہان آپ نے پرنالہ قائم کیا تھا قائم کرو"

بہر حال انکو سخت اصرار تھا اور حضرت عمرؓ کسی قسم کا جبر کرنا نہین چاہتے تھے، بالآخر دونون بزرگون نے حضرت ابی بن کعب کو حکم مانا اور اُنسے پوری سرگذشت بیان کی، اُنھون نے کہا کہ خود رسول اللہ صلعم سے مین نے سنا ہی کہ جب حضرت داؤد نے بیت المقدس کو تعمیر کرنا چاہا تو مسجد کے ایک طرف کسی اسرائیلی کا گھر تھا، اُنھون نے خریدنا چاہا اور دونی قیمت دینی چاہی لیکن اُس نے انکار کر دیا، اب اُنکے دل مین آیا کہ جبر لے لین، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ تم میرے گھر مین ارض مغصوبہ کو شامل کرنا چاہتے ہو، تمہاری یہی سزا ہی کہ اب اس گھر کو نہ بناؤ" حضرت ابی بن کعب نے حضرت عباس کے حق مین فیصلہ کر دیا تو اُنھون نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا "اگر تم لے لینا چاہتے تو نہ دیتا لیکن اب اُسکو مسلمانون پر وقف کرتا ہون"

اب حضرت عمرؓ نے تعمیر کا کام شروع کیا، لیکن اُنھون نے مسجد کے نقشہ و ہئیت مین کسی قسم کا تغیر نہین کیا، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد مین ہی،

لہ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ ۔ ۲ہ خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۳۲،

وزاد فیہ عمر وبناہ علی بنائہ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللبن والجرید واعاد عمدہ خشبا	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد مین اضافہ کیا اور اسکو اسی ہیئت کے مطابق جو عہد رسالت مین تھی، اینٹ اور شاخ خرما سے تعمیر کیا اور ستون لکڑی کے بنوائے،

اس اضافہ سے مسجد کا طول بڑھ کر ۱۴۰ گز اور عرض ۱۲۰ گز ہو گیا، چھت زمین سے ۱۱ گز بلند اور قد آدم برابر پتھر کی بنیاد تھی، چھ دروازے تھے، لیکن اضافہ جو کچھ ہوا صرف مغربی سمت مین ہوا، مشرقی جانب ازواج مطہرات کے حجرے تھے، اسلئے اسطرف کسی قسم کا اضافہ نہین کیا جا سکتا تھا،

مسجد نبوی کے ادب و احترام کے قائم رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے مسجد کے ایک گوشہ مین ایک چبوترا بنوا دیا اور حکم دیا کہ جو لوگ شور کرنا چاہین، شعر پڑھنا چاہین، بلند آواز مین گفتگو کرنا چاہین وہ اسی چبوترہ پر چلے جائین[1]، بعد مین مسجد نبوی مین جو اضافے ہوئے، اُن مین یہ چبوترہ بھی شامل مسجد کر لیا گیا[2]،

روشنی کا انتظام مسجد نبوی مین روشنی کا ابتدائی انتظام جیسا کہ اوپر گذر چکا خود عہد رسالت ہی مین ہو گیا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اسکو اور ترقی دی اور تمام مساجد مین نہایت وسیع پیمانہ پر روشنی کا انتظام کیا، چنانچہ ایک دن حضرت علیؓ نے رمضان کے مہینہ مین قندیلون کی جگمگاہٹ دیکھی تو بولے، عمرؓ نے جسطرح ہماری مساجد کو روشن کیا، اُسی طرح خدا اُنکی قبر مین بھی اُجالا کرے[3]،

بخور کا انتظام جمعہ کے دن اگرچہ مسجد مین خوشبو لگا کر آنا سنت ہی اور اسلئے صحابۂ کرام عموماً مسجد مین خوشبو لگا کر آتے تھے، تاہم حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ تک مسجد نبوی مین اسکا کوئی عام انتظام نہ تھا، اسکی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ مین ہوئی، ایک بار اُنکے پاس مال غنیمت مین عود کا ایک بنڈل آیا، اُنھون نے حسب معمول مسلمانون کو تقسیم کرنا چاہا لیکن کافی نہ ہوا، اسلئے حکم دیا کہ انگیٹھی مین رکھ کر مسجد مین

لہ موطائی امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی جامع الصلوٰۃ، ۲ہ خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۳۴، ۳ہ اسد الغابہ تذکرہ عمرؓ،

سلگایا جائے تاکہ تمام مسلمان اُس سے فائدہ اُٹھائین"، اُسکو ایک شخص تمام لوگون کے سامنے لیکر پھرتا تھا پھر حضرت عمرؓ کے آگے رکھدی جاتی تھی، یہ انگیٹھی ایک مدت تک قائم رہی، لیکن ۱۶۰ھ مین جب ابراہیم بن یحییٰ اور محمد بن عباس مدینہ مین آئے تو اسکی جگہ دوسری انگیٹھی کے استعمال کرنے کا حکم دیا[۱]،

عہدِ عثمانی حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی مین صرف اضافہ کیا تھا مگر اسکی اصلی ہیئت قائم رکھی تھی، لیکن حضرت عثمانؓ نے مسجد کا پورا نقشہ ہی بدلنا چاہا، لیکن چونکہ صحابہ کرام رسول اللہ صلعم کی ہر سنت کو، ہر طریقہ کو، اور ہر یادگار کو اصلی صورت مین قائم رکھنا چاہتے تھے، اسلئے اُنھون نے اس تغیر کو ناپسند کیا، صحیح مسلم باب فضل بناء المساجد مین ہی کہ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو ازسرِ نو تعمیر کرنا چاہا تو لوگون نے اُسکو پسند نہین کیا اور چاہا کہ اُسکو اپنی اصلی ہیئت مین قائم رہنے دین،

بالآخر جب عام طور پر صحابۂ کرام نے مخالفت کی تو اُنھون نے ایک عام خطبہ دیا جسمین فرمایا،

انکم قد اکثرتم وانی قد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من بنی مسجدا للہ تعالیٰ یبتغی بہ وجہ اللہ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ	تم نے حد سے زیادہ مخالفت کی مین نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی کہ جو شخص خالصۃً لوجہ اللہ مسجد بنائیگا، خدا اسکے لئے جنت مین گھر بنائیگا،

خلاصۃ الوفا مین ہی کہ اُنھون نے منبر پر چڑھ کر ایک خطبہ دیا اور کہا کہ مین مسجد نبوی کو منہدم کرنا چاہتا ہون اور مجھے اُس مین اضافہ کرنا مقصود ہی، مجھسے پہلے عمر بن الخطاب نے یہ نظیر قائم کردی ہی، اہل الرائے صحابہ سے مین نے مشورہ بھی کرلیا ہی، اسکے بعد تمام صحابہ کا اتفاق ہو گیا اور اُنھون نے ربیع الاول ۲۹ھ مین تعمیر کا کام شروع کرایا، بطن نخل سے سنگریزے صاف کراکے منگواتے تھے اور مزدورون کے ساتھ خود بھی تعمیر مین حصہ لیتے تھے، دن بھر روزہ رکھتے تھے، رات بھر نماز

[۱] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۰۷،

پڑھتے تھے، اور کبھی مسجد سے نہین نکلتے تھے، یہان تک کہ پورے دس مہینے کی مدت مین تعمیر کا کام پورا ہوا[۱]،

حضرت عثمانؓ نے نہایت شان وشوکت کے ساتھ مسجد نبوی کو تعمیر کرایا، حضرت عمرؓ کے زمانہ تک دیوار کچی اینٹ کی تھی، اُنھون نے منقش پتھر کی دیوار قائم کی، رسول اللہ صلعم نے کھجور کے ستون قائم کئے تھے، حضرت ابو بکر نے صرف انکی تجدید کی، حضرت عمرؓ نے اسقدر اضافہ کیا کہ لکڑی کے ستون قائم کردیئے لیکن حضرت عثمان نے منقش پتھرون کے ستون لگائے، رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین چھت کی حیثیت چھپر سے زیادہ نہ تھی، اُنھون نے ساکھو کی لکڑی کی چھت بنوائی[۲]،

لیکن حضرت عثمان نے دروازون کی تعداد مین کوئی اضافہ نہین کیا بلکہ وہی چھہ دروازے قائم رہنے دیئے جو حضرت عمرؓ نے قائم کئے تھے، تاہم طول وعرض مین بہت کچھ اضافہ ہو گیا، حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات کے حجرے بالکل چھوڑ دیئے تھے، لیکن اُنھون نے حضرت حفصہؓ کے حجرے کو بھی شامل کرلیا اور اُسکے عوض مین انکو عبید اللہ بن عمرؓ کا گھر دیدیا[۳]،

عہدِ اموی حضرت عثمانؓ کے بعد مسجد نبوی مین عبد الملک ابن مروان کے زمانے تک کسی قسم کا تغیر یا اضافہ نہین ہوا، لیکن ولید بن عبد الملک نے ان سب کا کفارہ کردیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اسکی جانب سے مدینہ کے گورنر تھے، ولید نے اُنکے پاس بہت سے روپئے بھیجدیئے، اور کہا کہ آس پاس کے لوگ اگر بخوشی اپنے مکانات فروخت کرین تو اس روپئے سے اُنکی قیمت دیدو ورنہ زبردستی منہدم اور اس حالت مین بھی لوگ قیمت لینے سے انکار کرین تو فقرا کو دیڈالو، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے سختی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی، اور اِردگرد کے مکانات کے ساتھ ازواج مطہرات کے حجرے بھی جو رسول اللہ صلعم کے زہد وتقشف کی یادگار تھے، بہ جبر مسجد مین شامل کرلئے، عطار خراسانی کا بیان ہی

[۱] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۳۴، [۲] صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب بنیان المساجد، [۳] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۳۶،

کہ جب ولید بن عبدالملک کا یہ حکم لوگون کے سامنے پڑھا گیا تو ایک عام کہرام مچ گیا، سعید بن مسیب نے بہ حسرت فرمایا کہ "کاش لوگ ان کاشانون کو یونہین رہنے دیتے، تو لوگ آکر دیکھتے کہ رسول اللہ صلعم نے کسقدر متقشفانہ زندگی بسر کی ہی، اس طرح لوگون کو زہد و قناعت کی ترغیب ہوتی"

بہر حال آس پاس کے مکانات کو ڈہا کر زمین ہموار کیگئی، اور باختلاف روایت ۸۸ھ یا ۹۱ھ مین نہایت وسیع پیمانے پر تعمیر کا کام شروع ہوا، اس زمانہ مین رومی فن تعمیر کے سب سے بڑے ماہر خیال کئے جاتے تھے، اس بناپر ولید نے شاہ روم کو لکھا کہ "ہم اسوقت اپنے پیغمبر کی مسجد کو تعمیر کرنا چاہتے ہین، تم کاریگر اور مصالحہ دونون سے ہماری اعانت کرو"، اُس نے متعدد کاریگر اور متعدد گھڑیان میناکاری کے سامان کی بھیجین، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کرایا، میناکاری کے لئے متصل ایک سال تک چونے کا گارا تیار کیا گیا، دیوار اور بنیاد دونون پتھر کی قائم کی گئین، ستون درحقیقت لوہے اور سیسے کے تھے جنکے اُوپر سے صرف پتھر کے خول چڑہا دیئے گئے تھے، جابجا سنگ مرمر اور دوسرے منقش پتھر لگائے گئے تھے، چھت بالکل ساکھو کی بنائی گئی تھی، اور اس پر سنہرا پانی پھیرا گیا تھا، تمام دیوارون اور ستونون پر پچہ کاری کا کام کرایا گیا تھا اور اس مین اسقدر فیاضانہ حوصلہ مندیون سے کام لیا گیا تھا کہ جو کاریگر کسی بڑے درخت کی عمدہ تصویر بناتا تھا اُسکو حضرت عمر بن عبدالعزیز ۳۰ درہم انعام عطا فرماتے تھے،

ولید کے لئے اُنھون نے جو مقصورہ بنوایا تھا اُسکی چھت اور بھی مذہب و منقش تھی، چنانچہ تکمیل عمارت کے بعد جب ولید مدینہ مین آیا، اور گھوم پھر کے مسجد کی عمارت دیکھی تو مقصورہ کی چھت کو دیکھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ کُل مسجد کی چھت ایسی ہی کیون نہ بنوائی؟ اُنھون نے جواب دیا کہ "صرف بہت پڑتا" ولید نے کہا "پڑتا پڑتا"، ایک روایت مین ہی کہ اُنھون نے کہا کہ "اے امیر المومنین مین نے قبلہ کی دیوار اور دونون چھتون کے درمیان جو کچھ صرف کیا ہی آپ کو معلوم ہی؟ ولید نے کہا کسقدر؟ بولے ۴۵ ہزار دینار، بولا "گویا تم نے اپنا مال صرف کیا" یہ سب کچھ ہوا لیکن جنلوگون نے مسجد کی سادگی کا پر عظمت نظارہ کیا تھا مسجد کے اس جدید آب و رنگ نے اُنکو کچھ بہت زیادہ مرعوب نہین کیا، چنانچہ ولید نے جب گھوم پھر کے اچھی طرح مسجد کی سیر کر لی تو حضرت ابان بن عثمان کیطرف مخاطب ہوکر فخریہ لہجہ مین کہا کہ "ہماری عمارت کہان اور تمھاری کہان"۔ ابان نے جواب دیا کہ "ہم نے مسجد بنوائی تھی اور تم نے گرجا بنوایا ہی"

ولید کی تعمیر سے مسجد نبوی مین بہت سی جدید چیزون کا اضافہ ہوا، مثلاً حضرت عثمانؓ کے زمانے تک مسجد مین کنگرے، مینارے، محراب اور پرنالے وغیرہ نہین تھے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے چارون کونے چار مینار قائم کئے، محراب بنوائی، سیسے کے پرنالے لگوائے، ان مینارون مین ایک مینارہ گویا بالکل مروان کی گھر کی دیوار پر قائم تھا، چنانچہ سلیمان بن عبدالملک جب حج کو آیا، اور موذن نے اُس پر چڑہ کر اذان دی، تو اس نے اُسکو گروا دیا، اِسلیئے ساتوین صدی تک مسجد مین تین ہی منارے رہے، لیکن ۷۰۶ھ مین سلطان ناصر محمد بن قلاوون نے کافور مظفری کے توسط سے چوتھا مینارہ بھی تعمیر کروایا،

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد کی اصلی حیثیت قائم رکھنے کے لئے بہت سے پہرہ دار مقرر کئے کہ لوگ اُس مین بیع و شرا نہ کرنے پائین، ان پہرہ دارون کو یہ بھی حکم تھا کہ مسجد مین کسیکو جنازے کی نماز پڑھنے پڑھانے نہ دین،

عبدالسلام ندوی

داستان آفرینش

(۲)

افادۂ پروفیسر سید نواب علی ایم اے

ڈارون نے مسئلۂ ارتقا کی بنیاد جن قواعد پر قائم کی ہی پہلے اُنکو ذہن نشین کر لینا چاہئے وہ کہ یہ ہین:

(۱) ایک نوع کے دو افراد مین ہر حیثیت سے مشابہت تام نہین پائی جاتی بلکہ ہر فرد مائل بہ اختلاف ہی، یہ طبعی میل اختلاف "ماحول" یعنی گرد وپیش کے اثر سے نمایان تغیر پیدا کر دیتا ہی، جیسا کہ جانورانِ صحرائی اور اہلی مین پایا جاتا ہی،

(۲) یہی وہ طبعی میل اختلاف ہی جس سے انسان فائدہ اُٹھا کر ایک نوع سے سینکڑون اقسام جنمین مورث کا امتیازی نشان اسی کے وارث مین منتقل ہو کر مستقل صورت اختیار کر لیتا ہی، اپنی پسند کے موافق تیار کرتا ہی، جیسے کبوتر، کتّا، سیب وغیرہما، جب انسان محدود مکان اور زمان مین ایسے تغیرات انواع مین پیدا کر لیتا ہی تو فطرت جس کا اختیار اور دائرۂ عمل کہین زیادہ وسیع ہی کیا کچھ نہین کر سکتی، لیکن انسان اور فطرت کے انتخاب مین یہ فرق ہی کہ انسان اپنے مفید مطلب اقسام کو تیار کرتا ہی لیکن فطرت اُنھین اقسام کو منتخب کرتی ہی جو قابلیت کے لحاظ سے بقائے نوع کے واسطے موزون ہوتے ہین،

(۳) چونکہ ہر نوع کے افراد کی پیدائش جلد جلد اور کثرت سے ہوتی ہی اسلئے غذا، مسکن اور ازدواج کے واسطے جنگ وجدال کا معرکہ گرم رہتا ہی، اس کشمکش کی حالت مین "انتخاب طبعی" صرف اُنہین افراد کو جنمین کوئی خاص تفوق یا نمایان امتیاز ہوتا ہی، باقی رکھتا ہی اور بقیہ کو فنا ہو جانے دیتا ہی، اِس تفوق یا امتیاز کی بنا کبھی قوت پر ہوتی ہی، جیسے شکاری جانورون مین، کبھی رنگ، صورت اور حُسن پر جیسے خوشرنگ اور نغمہ سنج طیور مین، کبھی ذائقہ اور خوشبو پر جیسے پھولون مین، غرض کہ ایسے بہت سے دقیق وجوہ ہوتے ہین، جنکی بنا پر انتخاب طبعی اپنا عمل کرتا ہی،

(۴) انتخاب طبعی اُنھین افراد کو باقی رکھتا ہی جو اپنے "ماحول" سے اثر پذیر ہوتے رہتے ہین، مثلاً غذا کے ذرائع حصول پر آب وہوا اور مسکن کا اثر بدرجۂ اولی ہوتا ہی، اسلئے جن افراد کے عضو حالت متغیرہ کے ساتھ مناسبت پیدا کر لیتے ہین وہی کشمکش حیات مین زندہ رہتے ہین، علاوہ اِسکے کسی عضو کا استعمال بھی افراد کی تغیر شکل وصورت کا باعث ہوتا ہی،

مذکورۂ بالا قواعد کی بنا پر حسب ذیل دلائل ارتقاء انواع کے ثبوت مین ڈارون کیطرف سے پیش ہوتے ہین،

(۱) علم الجنین کی شہادت جسکی تفصیل یہ ہی کہ ۱۸۲۸ء مین ڈاکٹر بائر نے جو جدید تحقیقات اِس علم مین کی تھے، اُنکی بنا پر ڈارون نے یہ ثابت کیا کہ انواع کے جنین ابتدائی حالت مین باہمدگر مشابہ ہوتے ہین یہانتک کہ ایک نوع جس زمانہ مین جس شکل مین ظاہر ہوئی ہی، ان تمام اشکال کا ابتدا سے انتہا تک جنین کی مدت قیام شکم مادر مین پورا اعادہ ہو جاتا ہی،

(۲) علم ترکیب الاعضا (مرفالوجی) انواع کے بڑے اقسام جنکے عادات بالکل مختلف ہین، اعضا کی ابتدائی ساخت کے لحاظ سے مشابہ ہوتے ہین، مثلاً بندر کے ہاتھ، مویشیون کے اگلے پاؤن، طیور کے بازو کی ساخت یکسان ہی، لیکن جس سے جو کام لیا جاتا ہی صرف اس حیثیت سے مختلف ہے، غرض کہ اس طرح غور کرنے سے مختلف انواع کی اعضا کی یکسان ساخت نظر آتی ہی، فرق صرف طریق عمل سے پیدا ہوتا ہی،

اعضائے ساقط العمل کا وجود بھی ارتقا کی ایک دلیل ہی، مثلاً بعض طیور کے جنین کی چونچ مین دانتون کے نشان، بعض سانپون مین پچھلے پاؤن کے آثار وغیرہما،

(۴) آب وہوا کے اختلاف اور بحر وبر کی جغرافیائی انقلاب سے جو نمایان تغیر انواع مین پیدا ہوتا ہی

لہ ڈارون کے بعد اسکے شاگرد ہیکل نے جو علم الحیوان کا ایک مسلم الثبوت اُستاد ہی، اپنی کتاب "ارتقاء انسان" کی جلد اول مین تین جنین یعنی کتا، انسان اور کچھوا کے فوٹو کا موازنہ کیا ہی اور یہ ثابت کیا ہی کہ ان تینون انواع کے چار ہفتہ کے جنین بالکل باہمدگر مشابہ ہوتے ہین، اسی طرح ایک دوسرے فوٹو مین گائے، سور، خرگوش اور انسان کے جنین بھی مشابہ ہین،

اس سے انکی ارتقار کا پتہ چلتا ہی اگرچہ ہر ذی حیات کا رقبہ مخصوص ہی مثلاً دریائی گھوڑا افریقہ مین، سلاتھ امریکہ مین، قطب شمالی کی نباتات کا منطقہ حارہ مین موجود نہ ہونا وغیرہ، لیکن قدیم زمانہ مین انتقال مکانی کے طبعی اسباب مثلاً طوفان وسیلاب وغیرہ پر جسوقت غور کیا جائے تو تشابہ اور تباین کے وجوہ آئینہ ہوجاتے ہین، اس عقدہ کے حل کرنے مین جزائر قریب لبر کے انواع کا موازنہ ان جزائر کے انواع سے جو مثلاً قطبین کے سمندرون مین واقع ہین، اثبات دعوے کے واسطے ایک عمدہ مثال ہی، جزیرۂ اسٹریلیا جو قرون ماضیہ مین براعظم ایشیا کا ایک جزو تھا، قدیم زمانے کے ادنی انواع ذوات الثدی سے مثلاً کنگرو کا ایک زندہ عجائب خانہ ہی، برخلاف اسکے بحر شمالی وجنوبی کے جزائر ازور اور سینڈوچ مین بجز چمگادڑ کے نہ کوئی دودھ پلانے والے جانور ہین نہ مینڈک نہ کچھوے، البتہ تیز بال طیور جو سمندرون کو طے کرسکین پائے جاتے ہین، ان طیور کے ذریعہ سے نباتات براعظم کے تخم کبھی انکے پنجون اور چونچ مین کیچڑ کے ساتھ لپٹ کر کبھی انکے پیرون مین اور کبھی سوء ہضم یا قبل ہضم شکار ہوجانیکے باعث سالم تخم اور گٹھلیان دور دراز مقامات مین اسطور سے منتقل ہوکر سرسبز ہوجاتے ہین،

ڈارون نے جن اصول پر ارتقائے انواع کے ثبوت پیش کئے ہین، ان پر جو اعتراض ہوسکتے تھے انکو اس نے کمال دوراندیشی سے اپنی اسی کتاب "اصل انواع" کے ابواب ششم اور ہفتم اور دہم مین درج کرکے رد کیا ہی، مثلاً یہ اعتراض کہ انواع کے درمیانی حلقے مفقود ہین، اسلئے سلسلۂ ارتقا ٹوٹ جاتا ہی، آثار قدیمہ کے جدید اکتشافات سے خود بخود دفع ہوجاتا ہی، یا یہ اعتراض کہ دو مختلف اقسام انواع کی جو نسلین پیدا ہوتی ہین، انکا سلسلۂ توالد وتناسل منقطع ہوجاتا ہی، مثلاً خچر اسلئے ان کا ارتقائی تعلق بھی قائم نہ رہا، اسکے متعلق ڈارون نے چند مثالین جنوبی امریکہ کی ایک قسم کی بھیڑ اور بکری اور چند اقسام کی جھاڑیان پیش کین اور یہ ثابت کیا کہ توالد وتناسل کا دارومدار زیادہ تر قوتِ میلان ہی پر ہی، انتخاب طبعی کے کلیہ پر مشہور محقق ویسمن کا یہ اعتراض کہ مورث کی خصوصیات

انتخاب طبعی کے قاعدہ سے وارث تک منتقل نہین ہوسکتے، البتہ بہت زبردست ہی،

اگرچہ ڈارون نے صاف کہدیا تھا کہ انتخاب طبعی ایک عام کلیہ ہی، لیکن یہ ضرور نہین کہ ہر جگہ بذات خود اسی کا عمل رہے، مگر پھر بھی اس اعتراض کی اہمیت کے لحاظ سے ڈارون کے متبعین نے انتخاب طبعی کی جگہ اسپنسر کے معنی خیز اصطلاح "بقائے اصلح"، کا استعمال ضروری سمجھکر دفع اعتراض کی کوشش کی،

بہرحال ڈارون نے انواع کا ارتقا جن قواعد کے رو سے ثابت کیا، ان پر اگرچہ بہت کچھ جرح وقدح ہوئی لیکن نفس الامر مین دعوی ارتقا باطل نہ ہوسکا، اور اب یہ مسئلہ سائنس کا ایک مسلمہ مسئلہ ہی،

ارتقاء انسان

ڈارون نے اپنی کتاب مین انسان کے ارتقا سے بحث نہین کی تھی، وہ خوب سمجھتا تھا کہ ایک نازک مسئلہ ہی، "اصل انواع" کے شائع ہونے کے بعد اس نے جو خط گرے کے نام ۱۸۶۰ء مین لکھا اس مین صاف صاف کہتا ہی،

"مذہبی معاملات مین بحث وجدال کرنے سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہی، مین نہین چاہتا کہ میرا دامن تحریر الحاد سے آلودہ ہوجائے" (سوانح وخطوط ڈارون جلد دوم صفحہ ۳۱۰)

لیکن بعد کو ایسے واقعات پیش آئے جن سے اسکی حالت بدل گئی، "اصل انواع" مین جو طرز استدلال اس نے اختیار کیا تھا وہ ایک ایسی آگ تھی جس نے بتخانہ کے ساتھ مسجد کو بھی جلادیا، ہکسلے جو علم الحیات اور علم الآثار کا ایک مشہور عالم تھا، ڈارون کے استدلال کے طپنچے توریت و انجیل کی روایات متعلق تخلیق عالم پر رسید کرنے لگا، اور اپنے لکچرون مین دعوے کیا کہ نوع انسان کو بھی کوئی جداگانہ نوع نہین کہہ سکتے، بلکہ تشریح الابدان[1] سے صاف نظر آتا ہی کہ دیگر انواع کی طرح اسکا

[1] ہکسلے نے انسان اور چار قسم کے مردم نما بندر، چیمپینزی، گوریلا، گبن، ارانگ، اوٹانگ کے ڈھانچون کا موازنہ کرکے یہ ثابت کیا ہی کہ انسان اور بندر مین اگر کچھ فرق ہی تو دماغ کے نظام عصبی کی ساخت مین اور وہ بھی چیمپینزی مین بہت خفیف یہانتک کہ انسان اور چیمپینزی کے نوزائیدہ بچون مین کچھ بھی فرق نہین ہی، ماخوذ از مینز پلیس ان نیچر،

سِلسلہ بندرون سے ملجاتا ہی،

ہکسلے نے اپنے لکچرون کو ایک کتاب کی صورت مین جسکا نام کائنات مین انسان کا درجہ ہی، ۱۸۶۳ء مین شایع کردیا، ہکسلے چونکہ نہایت تندخو، دریدہ دہن اور رندمشرب تھا، یہانتک کہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ "مین تو ڈارون کا بُل ڈاگ (کتا) ہون" اسلئے مقتدایان دین کا گروہ سخت برافروختہ ہوگیا اور سب سے پہلے ڈارون کو کافر اور ملحد کا لقب دیکر بغیر اسکے کہ اسکے دلائل کو معقول طرز سے رد کرین یہ طعنہ دیا کہ ڈارون اخلاقی کمزوری اور کمینہ پن سے اپنے عقائد کا اخفا کرتا ہی، مقتدایان دین کے اس دلشکن طعنہ کی برداشت ڈارون سے نہ ہوسکی، وہ ایک خط مورخہ ۲۲۔ فروری ۱۸۶۹ء مین اپنے ایک دوست مولر کو لکھتا ہی،

"مجھے اخفائے خیالات کا طعنہ دیاجاتا ہی، اچھا اب مین نسل انسان کی اصلیت کے متعلق کچھ لکھتا ہون"۔ (سوانح وخطوط ڈارون جلد سوم صفحہ ۱۱۲)

چنانچہ ۱۸۷۱ء مین اُسنے اپنی دوسری کتاب "ہبوط انسان" کے نام سے شایع کی، اور علم الجنین، علم الآثار، علم تشریح الابدان کے ذریعہ سے اس نے یہ دعوے کیا کہ جسمانی، دماغی، اور روحانی ہر حیثیت سے انسان ترقی یافتہ بندر ہی،

ڈارون کے انتقال کے بعد علم الحیات اور علم الآثار مین جدید انکشافات ہوئے، لیکن یہ تمام انکشافات اسکے خیال کے مویّد ثابت ہوئے، مثلاً زمانہ حال کی مشہور سلولر تھیوری یا مسئلہ بیوت جسکا ماحصل یہ ہی:۔

سلولر تھیوری یعنی مسئلہ بیوت اور ارتقائی حیات

حیات کے واسطے نمی اور گرمی مخصوصات سے ہین، جسوقت کرۂ ارض کی شدتِ التہاب مین کمی ہوئی تو آکسیجن اور ہیڈروجن جنکے امتزاج سے پانی پیدا ہوا، پھر پانی مین کاربن نیٹروجن اور گندھک وغیرہ کے امتزاج سے اس عجیب شے کا ظہور ہوا جو بقول ہکسلے مادۂ حیات ہی

خردبین سے حیوانات کے تخم اور نباتات کے تازہ ریشون کو دیکھو دونون ایک ہی قسم کے چھوٹے چھوٹے سِلز بیوت[1] کا مجموعہ ہین، یہ بیوت یا خانے ایک ہی طرح کی بھوری چپکنے والی رقیق اور متحرک شے سے معمور ہوتے ہین، اِس شے کا نام علمائے سائنس نے پروٹوپلیزم یعنی مادۃ الحیات رکھا ہی،

تمام اجسام ذی حیات یعنی نباتات، حیوانات اور انسان کی ابتدا ان بیوت سے جنین مادۃ الحیات بھرا ہوتا ہی، ہوتی ہی، سب سے پہلے ایک خانہ ہوتا ہی جسکے وسط مین پروٹوپلیزم اپنا مستقر قرار دیکر تغذیہ اور نمو کا عمل شروع کرتا ہی اور جسوقت ایک مقررہ حجم تک نشو و نما پاچکا تو وہ خانہ مستقر کے مقام سے پروٹوپلیزم کے ساتھ دو متساوی بیوت مین تقسیم ہوجاتا ہی، اسطرح دو سے چار، چار سے آٹھ، آٹھ سے سولہ الی غیر النہایہ بیوت پیدا ہوتے جاتے ہین، یہ بیوت گویا اجسام ذی حیات کی ابجد ہین، سب سے ادنی جسم ذی حیات ایک خانۂ واحد سے بنا ہی جسکا نام سائنس کی اصطلاح مین پروٹوزا یعنی "نشأۃ الاولیٰ" ہے، اس مین حرکت، تغذیہ اور نمو کی قوتین موجود ہوتی ہین، اسکے بعد اسفنج کا درجہ ہی، جسمین بیوت کی تقسیم اور ترتیب دو طبقہ والی نعل کی شکل مین نظر آتی ہی، اس کا نام گیسٹرولا ہی، بعد اسکے دابہ یعنی کیڑے کا درجہ ہی جسمین تین طبقے ہوتے ہین اور یہ جنین کی ابتدائی شکل ہی، بالائی طبقہ سے پوست اور اعصاب کی تخلیق ہوتی ہی طبقہ زیرین سے روده وغیرہ اور درمیانی طبقہ سے قلب اور اعضائے رئیسہ، دابہ مراتب ارتقا طے کرتا ہوا "احسن تقویم" کے منتہائے کمال پر پہونچکر اشرف المخلوقات یعنی انسان کا جلوہ دکھاتا ہی

مسئلہ ارتقا مین ڈاکٹر ولیس کی مشہور ترمیم

مسئلہ ارتقا کی تاریخ مین یہ واقعہ یادگار رہیگا کہ ڈاکٹر ولیس جو اصول ارتقا کے دریافت کرنے مین ڈارون کا ہم پلہ اور برابر کا شریک وسہیم ہی، یہ دیکھکر کہ ڈارون اور اُسکے پرجوش متبعین، ہکسلے، رومانیس اور ہیکل نے انسان کی دماغی اور روحانی قوتون کا ماخذ بھی

[1] ان بیوت کو جرمنی کے مشہور ماہر علم الحیات شوان نے ۱۸۳۸ء مین دریافت کیا،

حیوانات ہی کو قرار دیا سخت مخالف ہوگیا، اور شیدائیان سائنس کی طعن وتشنیع کی کچھ پروا نہ کرکے یہ دعوے کیا کہ جسم کی ساخت کے لحاظ سے انسان بیشک حیوان کی ارتقائی صورت ہی لیکن اسکے نفس کے وجود اور ارتقار کا حیوانات سے کوئی تعلق نہین ہی، بلکہ انسان اور حیوان کے مابین یہی مخصوص شے مابہ الامتیاز ہی، وہ کہتا ہی کہ ریاضی، فنون لطیفہ اور حاسۂ مذہب کا ارتقا انتخاب طبعی اور اسکے معاون قواعد کے رُو سے ثابت نہین ہوتا،

شیدائیانِ سائنس کو یہ دعوے ایسا عجیب معلوم ہوا کہ ادلاًیہی کہتے رہی کہ ڈاکٹر موصوف کا یہ قول ہی نہین، یہانتک کہ ڈارون نے بھی یہی سمجھا، لیکن جسوقت ڈاکٹر ولیس نے اپنی مشہور کتاب "ڈاردنزم" ۱۸۸۹ء مین شائع کی اور اُسکے باب ۱۵ مین اس دعوے کو شرح وبسط کے ساتھ ثابت کیا، توجسطرح ڈارون کو مذہبی گروہ نے ملحد قرار دیا تھا، اسی طرح سائنس کے فریق "معتدین" نے ولیس کو وہم پرست کا لقب دیکر یہ کہنا شروع کیا کہ ڈاکٹر موصوف پر مذہبی رنگ چڑھ گیا ہے،

ماہرینِ سائنس علے العموم پیروانِ مذہب کو متعصب اور جاہل کہا کرتے ہین، مگر اس معاملہ مین ہم اُنکو کیا کہین ؟

بخود بوقت ذبح تپیدن گناہِ من! دانستہ دشنہ تیز نکردن گناہِ کیست؟

له صفحہ ۱۱۶ ڈاروِن وعلوم جدید، ۲ه ایضاً

عشقیہ شاعری

آثار خطیبہ[1] علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عشق ومحبت کا جذبہ فطرت انسانی کا خمیر ہی، اسلئے تمام دنیا کی شاعری مین عشقیہ شاعری، اور سب انواع شاعری سے زیادہ متداول اور عام ہی لیکن ایران اس خصوصیت مین تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہی، ایران کا تمدن کئی ہزار برس کا ہی، معاشرت اور کاروبار زندگی مین ہمیشہ سے تکلف ونزاکت موجود تھی، تین ہزار برس کی متصل عیش ونعمت اور جاہ وثروت نے نفاست اور لطافت کو انتہا تک پہونچا دیا تھا، آب وہوا، سبزہ زار، آبِ روان، لالہ وگل دماغون اور طبیعتون کو ہمہ وقت نشاط انگیز اور ولولہ خیز رکھتے تھے، ان سب پر مستزاد یہ کہ حسن وجمال کے لحاظ سے ملک کا ملک یوسفستان تھا، نوشاد، خلخ، فرخار، کشمر، جو حُسن کے چمن زار تھے، ایران کے دامن مین تھے، وہان کی پیداوارین ایران ہی کے بازارون کو سجاتی تھین، ان سامانون کے ساتھ ایران مین غزل گوئی کی ترقی ایک لازمی چیز تھی،

بظاہر یہ تعجب کی بات ہی کہ باوجود ان اسباب کے تین سو برس تک غزل کو ترقی نہ ہوئی، اُسکی وجہ یہ تھی کہ ایران مین شاعری کا آغاز فطری جوش سے نہین، بلکہ کسب معاش کی غرض سے ہوا تھا، جب ایران مین خود مختار سلطنتین قائم ہوئین تو شعرا نے سلاطین کی مداحی کیلئے شاعری شروع کی، اور چونکہ عرب کی تقلید کرتے تھے، اسلئے قصائد کی ابتدا مین عشقیہ اشعار بھی کہتے تھے جنکو عربی مین تشبیب یا نسیب کہتے ہین، اور اُسی کا دوسرا نام غزل ہی لیکن یہ فقط تقلید تھی اصلی جوش نہ تھا، اس سے بڑھکر یہ کہ ابتدائے شاعری سے کئی سو برس تک دیلمیون

[1] پارۂ از شعرالعجم حصۂ پنجم غیر مطبوع،

غزنویون اور سلجوقیون کی بدولت تمام ملک ایک میدانِ کارزار بنا رہا، اِس حالت مین غزل گوئی کو کون پوچھتا تھا،

بااین ہمہ غزل گوئی کا خمیر طیار ہو رہا تھا، اول تو باوجود جنگی زندگی کے شاہد پرستی عام طور پر رائج تھی، بڑے بڑے قاہر اور متشرع سلاطین علانیہ حُسن پرستی کرتے تھے، انکی مدح مین جو قصائد لکھے جاتے تھے، اُن مین انکے معشوقون کا بھی تذکرہ کیا جاتا تھا، خود سلاطین شعرا سے فرمائش کرکے یہ مضامین لکھواتے تھے، غفاری رازی نے سلطان محمود کی فرمائش سے ایاز کی شان مین اشعار لکھے اور گران بہا صلہ پایا، چنانچہ خود قصیدہ لامیہ مین کہتا ہی،

مرادو بیت بفرمود شہریارِ جہان — بران صنوبر عنبر عذار و مشکین خال

دو بدرہ زر فرستاد و دو ہزار درم — بہ رغم حاسد و تیمار بدسگال نکال

فرخی نے ایاز کی تعریف مین جو قصیدہ لکھا ہی، اُس مین کہتا ہی،

نہ بر خیرہ بہ اُو دل داد محمود — دلِ محمود را بازی میندار

ترک غلام گھر گھر پھیلے ہوئے تھے، اور جلوت وخلوت کے شریک صحبت تھے، اکثر شعرا ان غلامون کے شیفتہ تھے، اور عشقیہ اشعار مین انھی کا ذکر کرتے تھے، فرخی ایک قصیدہ کی تمہید مین لکھتا ہی؛

میرا پریرد ترک آج خمار مین بھرا ہوا ہی، کیونکہ کل شام سے صبح تک شراب پلاتا رہا، مین نے دوبارا آنکھون سے اشارہ کیا کہ سو رہ، لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ یہ دَور تو ہو جانے دیجئے، ایسے نوکری پرست پر کون نہ جان دیگا، ایسے خدمتگار کے ناز کون نہ اٹھائیگا،

منوچہری ایک قصیدہ کی تشبیب مین کہتا ہی،

نکنم بر تو جفا ور تو جفا قصد کنی — نگذارم کہ کسے قصد جفائے تو کند،

یعنی "مین تجھ پر ظلم نہ کرونگا، اور تو مجھ پر ظلم کرے، تو مین اور کسی کو تجھپر ظلم کرنے نہ دونگا" یہ ظاہر ہی کہ اس شعر کا مخاطب غلام اور نوکر ہی ہو سکتا ہے،

فوجی ترک جو اکثر سادہ رُو اور حسین ہوتے تھے، ہر جگہ نظر آتے تھے، اور نظر فروزی کا سامان کرتے تھے، اس بنا پر اکثر شعرا نے فوجی سپاہیون کی معشوقانہ تعریف کی ہی، چنانچہ اسکی پوری تفصیل کتاب کے ابتدا مین گذر چکی ہے، اس کا جو اثر شاعری پر ہوا یعنی معشوق کے سراپا اور اوصاف مین تمام رزمیہ الفاظ اور رزمیہ اصطلاحین آگئین، اسکو بھی ہم مفصّل لکھ آئے ہین،

اِدہر یہ سامان مہیّا ہو رہے تھے، اُدہر تصوف کی ترقی کا دَور شروع ہو چکا تھا، تصوف کا مایۂ خمیر عشق و محبت ہی، اور چونکہ اکابر صوفیہ مین بعض فطرۃً شاعر تھے اسلئے اُن کے جذبات موزون ہو کر زبان سے نکلے، قوم مین سپہگری کا جوش کم ہو چکا تھا، اُدہر تاتاریون نے تمام مُلک کو ویران کر دیا اور تمام اسلامی حکومتین دفعۃً خاک مین ملا دین۔ ان متواتر اسباب کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاعری کا سارا زور، درد، اور سوز و گداز بن گیا، اور اُسکے لئے غزل سے زیادہ کوئی چیز موزون نہ تھی۔ اس عہد کی غزلیہ شاعری مین جو درد اور تاثیر ہی انھی اسباب کا اثر ہی، اوحدی، مولانا روم، عطار، سعدی، خسرو، حسن ایسے ہی زمانہ مین پیدا ہو سکتے تھے،

حضرات صوفیہ اگرچہ عشق حقیقی سے تعلق رکھتے تھے، اور اُنکے کلام مین شاہد، اور مے و معشوق، شاہدِ حقیقی اور اسکے شیون و تجلیات مراد ہوتی ہین، لیکن یہ اکابر کا رتبہ ہی، ہر شخص بالغ نظر اور عالی ظرف نہین ہو سکتا، اسلئے ابتدائی منزلون مین عشق مجازی سے گذرنا ہوتا تھا، ان اسباب سے غزل کو اور ترقی ہوئی اور شاعری کا سارا زور غزل مین آگیا۔

اسوقت تک غزل مین عشق و محبت اور محبوب کے حُسن و جمال کی تعریف کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، خواجہ حافظ نے اس دائرہ کو وسیع کر دیا، ہر قسم کے رندانہ، صوفیانہ، فلسفیانہ، اخلاقی خیالات

غزل مین ادا کئے، اور چونکہ زبان پر بے انتہا قدرت تھی اسلئے کسی قسم کے خیال کے ادا کرنے مین زبان کی لطافت اور رنگینی مین فرق نہ آیا، یہ غزل گوئی کی معراج تھی جسکے بعد غزل کو یہ مرتبہ کبھی نہ حاصل ہوا اور نہ ہو سکتا تھا، خواجہ صاحب کا رنگ اگرچہ تمام ایران پر چھا گیا، یعنی انکے مذاق کے سوا اور کوئی مذاق پسند نہین آتا تھا، لیکن یہ سب جانتے تھے کہ اس طرز کی تقلید نہین ہو سکتی، اسلئے کسی نے اُسکا تتبع نہین کیا، اس بنا پر غزل گوئی کی ترقی رُک گئی، اور سو برس تک رُکی رہی، جب صفویہ کا آغاز ہوا تو فغانی نے ایک نیا طرز ایجاد کیا، لوگون نے اسکی تقلید کی، اور اسقدر وسعت دی کہ یہ زمین آسمان بنگئی،

صفویہ کا دور مختلف خصوصیتین رکھتا تھا،

(۱) اس سے پہلے معقولات اور فلسفہ کی تعلیم اسقدر عام نہ تھی، اور خصوصاً مذہبی نصاب تعلیم مین فلسفہ داخل نہ تھا، فلسفہ جزو تعلیم ہو گیا تھا۔

(۲) تمام ملک مین نہایت امن و امان، اور دولت و نعمت کی بہتات تھی،

(۳) چونکہ تیموریہ شعر و شاعری کے نہایت قدردان تھے، اسلئے ایران کے اکثر شعرا ہندوستان چلے آئے، اکثرون نے یہین قیام کر لیا اور یہین زمین گیر ہوئے، بہت سے ایسے تھے کہ ایران آتے جاتے رہتے تھے، ان حالات اور اسباب کی وجہ سے غزل مین مختلف اسلوب پیدا ہو گئے،

فلسفہ کے اثر نے فلسفیانہ خیالات پھیلائے، چنانچہ بعض شعرا مثلاً عرفی اور فیضی کا تمام کلام اس رنگ مین ڈوبا ہوا ہی، نظیری، سلیم، جلال اسیر مین فلسفہ کی جھلکیان نظر آتی ہین، فلسفہ ہی کی بدولت وہ طرز بھی پیدا ہوا جسکو دقت پسندی کہتے ہین، یعنی نہایت دقیق اور پیچیدہ مضامین پیدا کرتے تھے اور پیچیدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

دولت و نعمت کی افراط نے رندانہ اور عاشقانہ رنگ پیدا کیا، جو ولی دشت بیاضی، علی نقی کمرئی، وحشی یزدی، شرف جہان کا انداز ہی، ہندوستان کے اختلاط نے لطافت خیال پیدا کی، اور یہی وجہ

جو ایرانی شعرا ہندوستانی بنگئے، انکے کلام کی لطافت اور نزاکت، خالص ایرانی شعرا کے کلام مین مطلق نہین پائی جاتی، نظیری، طالب آملی، کلیم، ایران مین کہان مل سکتے ہین،

غزل گوئی کی یہ سادہ اجمالی تاریخ تھی، اب ہم اس بحث کو تفصیل سے لکھتے ہین،

غزل مین جو مختلف اسلوب پیدا ہوئے یعنی فلسفہ، اخلاق، تخیل، اگرچہ شاعری کے لحاظ سے انکا درجہ بہت بلند ہی لیکن غزل کا اصلی موضوع عشق و محبت ہی، اس لئے اس موقع پر ہم غزلیہ شاعری کی اسی حیثیت سے بحث کرتے ہین، فلسفیانہ اور اخلاقی غزلین فلسفیانہ شاعری مین داخل ہین جسکا ریویو آگے آئیگا،

غزل پر ریویو

ریویو کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہی کہ غزل کے محاسن اور معائب الگ الگ بیان کئے جائین جس سے تصویر کا دونون رُخ سامنے آجائے، چونکہ عیب کی نسبت غزل کی خوبیان زیادہ ہین، اسلئے پہلے ہم معائب کو بیان کرتے ہین۔

معائب

غزل کا ایک بڑا نقص یہ ہی کہ عشق و محبت کے کسی معاملہ یا واردات کا مسلسل بیان نہین ہوتا، ہر شعر الگ ہوتا ہی اور اُس مین کوئی منفرد خیال یا واقعہ ادا کر دیا جاتا ہی۔ عربی اور یورپین زبانون مین غزل اکثر مسلسل ہوتی ہی، جس مین محبوب کا مفصل سراپا، یا کوئی وصل و ہجر کی داستان، یا کوئی دلچسپ واردات، یا کوئی تفصیلی واقعہ بیان کرتے ہین، مثلاً ابن المعتز محبوب کے حالت خمار کا ذکر کرتا ہی،

مین نے اسکو ہات سے جگایا اور کہا کہ "اے راحت جان اُٹھ" وہ اس حالت مین بولا کہ نشہ سے اسکی آواز دبی جاتی اور اسطرح لڑکھڑاتی تھی جسطرح وہ شخص جسکی زبان سے بعض حرف ادا نہین ہوتے، اُس نے کہا کہ تم جو بولتے ہو میری سمجھ مین آتا ہی لیکن شراب کا نشہ مجھپر چھا گیا ہی، آج مجھکو چھوڑ دو کہ نشہ اتر جائے، پھر کل جو چاہے کرنا"

یا مثلاً واوا دمشقی کہتا ہے،

میرے دوستو! میرے معشوق کے پاس جاؤ، اس سے باتون باتون مین کہو کہ یہ کیا بات ہی کہ
تم اپنے عاشق کی خبر نہین لیتے اور اسکو تباہ کرتے ہو، اگر وہ مسکرا دے تو حسن ادا کے ساتھ کہو کہ
اس مین کیا نقصان ہی کہ بیچارے عاشق کو اپنے وصل سے کامیاب کرو، لیکن اگر اسکے چہرہ پر
غصہ کے آثار نظر آئین تو بھلا وا دیکر کہدینا کہ ہمکو کیا غرض، ہم تو اسکو پہچانتے بھی نہین،

فارسی غزل مین معشوق کے وصل، یا ہجر، یا انتظار، یا وداع، یا سفر، یا ہم بزمی، یا ہم کلامی
یا اور اس قسم کی واردات و معاملات کا تفصیلی بیان ڈہونڈنا چاہین تو نہین مل سکتا، حالانکہ فارسی مین
غزل کا اسقدر سرمایہ ہی کہ کسی زبان مین نہین مل سکتا،

(۲) ایران کا محبوب اکثر شاہد بازاری اور مبتذل ہوتا ہی، وہ ہر ایک کو ہات آسکتا ہی، سیکڑون سے
تعلق رکھتا ہی، آج اس سے ہمکنار ہی، کل اس سے ہم آغوش ہی، جب محفل مین جلوہ آرا ہوتا ہے تو
چارون طرف سے عشاق کا جمگھٹا ہوتا ہی، وہ کسی سے آنکھین لڑاتا ہی، کسی سے اشارے کنائے کرتا ہی،
کسی کی طرف دیکھ کر مسکرا دیتا ہی، کسی کو فریب آمیز نگاہون سے جھوٹی محبت کا یقین دلاتا ہی، بناوٹ سے
کبھی روٹھتا ہی، کبھی بنتا ہی، کبھی بگڑتا ہی، عشاق ایک ایک ادا پر بچھے جاتے ہین، ہر شخص سمجھتا ہے کہ
اصلی التفات میری طرف ہی، اور دن کو بناتا اور دھوکا دیتا ہی، بخلاف اسکے عرب کا معشوق عفت
و عصمت کا حریم نشین ہی، وہان تک رسائی مشکل ہی، کوئی شخص ادھر رخ کرے تو پہلے تلوارون کا سامنا ہوگا
سیکڑون سر کٹ جائینگے، خون کی ندیان بہ جائینگی، متنبی کہتا ہی،

دیار اللواتی دارھن عزیزۃ	ان محبوبون کے گھر کی جنکے گھر پیارے ہین
بطول القنا یحفظن لا بالتمایم	برچھیون کی نوک سے انکی حفاظت کیجاتی ہی، نہ کہ تعویذ سے نہین

اس کا سبب یہ ہی کہ عرب مین پردہ نشین اور باعفت عورتون سے عشق کرتے تھے، جب
عشق کا چرچا پھیل جاتا تھا تو یا تو قبیلہ والے شادی کر دیتے تھے، یا انکار کرتے تھے، اور اسوقت محبوبہ پر

زیادہ قید و بند ہو جاتی تھی، وہ باہر نہین جا سکتی تھی، اور جاتی تھی تو قبیلہ کے جانباز ساتھ ہوتے تھے،
مکان پر گویا آٹھ پہر پہرہ رہتا تھا، اس حالت مین بھی عشاق راتون کو نظر بچا کر جاتے تھے اور ہتھیار
باندہ کر جاتے تھے، کبھی محافظین جاگ جاتے تھے اور تلوارین چلتی تھین، عرب کے مشہور عشاق مثلاً
جمیل، کثیر وغیرہ کو اکثر اس قسم کے معرکے پیش آئے ہین، انھی محافظین کو رقیب کہتے تھے،
عربی مین رقیب جہان آتا ہی، اسی معنی مین آتا ہی، فارسی مین یہی لفظ نہایت خراب اور ذلیل معنون
مین مستعمل ہو گیا ہی، یعنی ایک معشوق کے چند عاشقون کو رقیب کہتے ہین جنمین لاگ ڈانٹ
اور مقابلہ اور مسابقت رہتی ہی، لطف یہ کہ ان سب باتون کے ساتھ عاشق و معشوق دونون پاک نظر
اور پاکباز رہتے تھے، رات بھر جلسے رہتے تھے اور کسی کو کچھ خیال نہین گذرتا تھا، ایکدفعہ جمیل اپنے
محبوبہ سے تنہائی مین ملا، اور کہا کہ آج مین تجھسے دل کا مدعا کہنا چاہتا ہون، اس نے اجازت دی،
جمیل نے عرض مطلب کیا، محبوبہ نے کہا "ناپاک! اگر مین یہ جانتی تو کبھی تیری صورت بھی نہ دیکھتی"
جمیل نے دامن کے نیچے سے خنجر نکالا اور کہا، "آج مین تیرا امتحان لینا چاہتا تھا، اگر تو راضی ہو جاتی
تو مین اسی خنجر سے تیرا سر اڑا دیتا"

اس بنا پر عرب کے عاشقانہ جذبات نہایت پر جوش اور نہایت سچے ہوتے ہین، محبوب
کی شان اور عفت عشق کو مشتعل کرتی ہی، لیکن ابتذال نہین آنے پاتا، یہ بات ایران کو نصیب نہین،
ایران مین عاشق اپنے آپ کو نہایت ذلیل قرار دیتا ہی، اپنے آپ کو معشوق کی گلی کا کتا کہتا ہے،
اور اس پر بھی تسکین نہین ہوتی، بلکہ اسکو بھی گستاخی سمجھتا ہی، ہر طرح کی ذلت، خواری، اور بیقدری کو
فخر خیال کرتا ہی اور سمجھتا ہی کہ کمال عشق اسی کا نام ہے،

سحر آمدم بکویت بہ شکار رفتہ بودی	تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی
شنیدہ ام کہ سگان را قلادہ می بندی	چرا بہ گردن خسرو نمی نہی رسنے

بخلاف اسکے عرب مین خودداری، اور عزتِ نفس کے جذبات ہر حالت مین قائم رہتے ہین عرب کا عاشق طالب ہی لیکن گدا نہین ہی، جانباز ہی لیکن غلام نہین ہی، آمادۂ مصائب ہی لیکن ذلیل نہین ہی، وہ معشوق سے مخاطب ہوکر کہتا ہی،

فلا تحسبی انی تخشعت بعدکم	یہ نہ سمجھنا کہ مین تیرے بعد کم حوصلہ ہوگیا
ولا اننی بالمشی فی القید اخرق	اور یہ نہ سمجھنا کہ مین پابزنجیر چلنے سے ڈرتا ہون

(۳) جن جذبات کا اظہار کیا جاتا ہی چونکہ ان مین واقعیت کم ہوتی ہی، اسلئے الفاظ و طرز ادا مین اصلی جوش نہین ہوتا، فارسی عشقیہ اشعار پڑھ کر دل پر کبھی یہ اثر نہین ہوتا کہ ایک جانباز عاشق کے دلی جذبات ہین، جو خیال ادا کیا جاتا ہی اس مین تصنّع اور مبالغہ ہوتا ہی، بخلاف اسکے عرب کا شاعر جو کچھ کہتا ہی اسی حد تک کہتا ہی جسقدر اصلی واقعیت ہی اور اسلئے اس مین جوش اور اثر ہوتا ہے، مثلاً مجنون کہتا ہی کہ مین جب نماز پڑہتا ہون تو لیلی کے خیال مین یہ یاد نہین رہتا کہ مین نے دو رکعت نماز پڑھی یا چار رکعت ادا کی، ایرانی شاعر کے نزدیک نہایت معمولی بات اور منصبِ عشق کی توہین ہی، لیکن اسکی واقعیت اور اثر سے کون انکار کر سکتا ہی، یا مثلاً جمیل کہتا ہی،

ارید لانسی ذکرہا فکانما	تمثل لی لیلی بکل سبیل

یعنی مین چاہتا ہون کہ لیلی کو بھول جاؤن لیکن وہ مجھکو ہر طرف کھڑی نظر آتی ہے،

ایرانی شاعر بعض وقت ممکن اور قریب الوقوع دعوے کرتا ہی لیکن چونکہ یہ معلوم ہی کہ وہ اس وصف سے خالی ہی اسلئے اُسکا کچھ اثر نہین ہوتا مثلاً سعدی کہتے ہین،

حدیث عشق چہ داند کسے کہ در ہمہ عمر	بسر نکوفتہ باشد درِ سرائے را

یعنی "وہ شخص عشق کا معاملہ کیا سمجھ سکتا ہی جس نے تمام عمر ایکدفعہ بھی کسی کے چوکھٹ پر اپنا سر نہ دے مارا ہو" یہ خیال بالکل صحیح ہی لیکن واقعیت کے لحاظ سے خود سعدی بھی انھی لوگون مین نظر آتے ہین

جنکے سر کو آستان کوبی کی کبھی نوبت نہین آئی ہی، بخلاف اسکے جب عرب کا شاعر کہتا ہی،

ذکرتک والخطی یخطر بیننا	وقد نہلت منا المثقفۃ السمر

مین نے اس وقت تجھکو یاد کیا جبکہ گندم گون برچھیان میرے خون سے سیراب ہوچکی تہین،

تو چونکہ معلوم ہی کہ شاعر نے میدانِ جنگ مین برچھیان کھائی ہین، اسلئے شعر دل پر اثر کرتا ہے اور سامعین کے جذبہ کو برانگیختہ کر سکتا ہی،

(۴) فارسی شاعری مین معشوق حُسنِ صورت کے لحاظ سے جسقدر بے مثل اور بے نظیر ہی، اسیقدر اخلاق کے لحاظ سے دنیا کے تمام عیوب کا مجموعہ ہی، وہ جہوٹا ہی، بدعہد ہی، ظالم ہی، سفاک ہے، مکّار ہی، دغاباز ہی، فتنہ گر ہی، حیلہ ساز ہی، شریر ہی، کمینہ پرور ہی، یا نہایت احمق ہی، ہر ایک کی بات مان لیتا ہی، ہر ایک کے قابو مین آجاتا ہی،

اِن خیالات کا آغاز اِس طرح ہوا کہ عشق چونکہ تمام احساسات کو مشتعل اور تیز کر دیتا ہی اِسلئے ہر چیز کا اثر عاشق پر زیادہ پڑتا ہی، عشق کا یہ تقاضا ہی کہ محبوب کی دیدار و گفتار سے کبھی سیری نہین ہو سکتی لیکن یہ ممکن نہین کہ محبوب دنیا کا تمام کاروبار چھوڑ کر آٹھ پہر عاشق کی نظر فروزی کرتا ہے، اِسلئے وہ عاشق کی آرزو بر نہین لا سکتا، اب اگر وہ عاشق کے سامنے سے کسی وقت ہٹ جاتا ہی، یا ہر وقت اسکو حاضری کا موقع نہین دیتا، یا اُسکے وعدون کو پورا نہین کر سکتا، یا کبھی کسی اور سے مخاطب ہوجاتا ہی یا کوئی اور اُسکی صحبت مین پہونچ جاتا ہی تو عاشق کو یہی باتین بیوفائی، بدعہدی، بیرحمی، سخن سازی، رقیب نوازی کی صورت مین نظر آتی ہین، اور عاشق کا احساس، عام لوگون کے احساس کے بہ نسبت زیادہ تیز ہوتا ہی، ہر وصف اپنے درجہ سے بہت بڑھ کر اُس پر اثر کرتا ہی، معشوق کی ایک ذراسی بے التفاتی کو وہ ظلم اور سفاکی کہتا ہی، اسی طرح ہر بات اعتدال سے بڑھجاتی ہی،

اِس بنا پر اِن خیالات کی تہ مین کچھ نہ کچھ واقعیت ضرور ہی، لیکن ایرانی شعراء نے اِن مین اسقدر

مبالغہ کیا کہ ان اوصاف کو حقیقی باتین قرار دیکر انکے تمام لوازمات اور جزئیات بیان کیے، مثلاً معشوق کو بے التفاتی کی بنا پر بیرحم کہا، پھر بیرحم کو قاتل کا خطاب دیا، پھر قتل کے تمام حقیقی سامان مہیا کر دیے، گویا معشوق واقعی ایک قاتل ہی، ہات مین تلوار ہی، عاشق کو قتل کے لئے طلب کرتا ہی، اسکی آنکھون پر جلادون کی طرح پٹی باندھتا ہی، پھر ذبح کرتا ہی، عاشق کے خون کی چھینٹین اُڑتی ہین، اور اسکے دامن پر پڑتی ہین،

قاتل من چشم می بندد دم بسمل مرا ——— تا بماند حسرت دیدار او در دل مرا

زخونِ خویش بران قطرہ می برم غیرت ——— کہ گاہ قتل بدامانِ قاتل افتادہ است

چگونہ جان بسلامت برم زسفاکے ——— کہ بر درش ملک الموت بسمل افتادہ است

محاسن — اگرچہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، بلحاظ اغلب فارسی غزل گوئی مین سچے جذبات کم نظر آتے ہین، تاہم ایک معتد بہ حصہ ایسا بھی موجود ہی جس مین غزل کی اصلی خوبیان اعلے درجہ تک پائی جاتی ہین، حضرات صوفیہ کا کلام تمام تر جوش اور اثر سے لبریز ہی، جو خیالات اور مضامین غزل کے عناصر اصلی ہین، ان غزلون مین نہایت پُرجوش طریقہ سے ادا ہوئے ہین۔ غزل کا سب سے مقدم مضمون عشق کی مدح و توصیف، قدر و قیمت اور اسکی محبوبیت اور قابل رشک ہونے کا اظہار ہے، یہ مضمون تمام زبانون مین ادا کیا گیا ہی، متنبی لکھتا ہے،

لو قلت للدنف الحزین فدیتہ ——— مما بہ لاغرتہ بفدائہ

یعنی اگر مین عاشق سے یہ کہون کہ تیرا عشق مین لئے لیتا ہون، تو اسکو رشک آئیگا اور اس پر راضی ہوگا، فارسی مین یہ مضمون جن گونان گون اور پر اثر طریقون سے ادا کیا گیا ہی، انکا اندازہ تفصیل ذیل سے ہوگا،

(۱) عشق وہ چیز ہی جسکے نام لینے سے مزہ آتا ہی، عاشق عشق کا لفظ بولتا ہی اور اسکی لذت سے مست و بیخود ہوا جاتا ہی، اس مضمون کو ایک شاعر اس طرح ادا کرتا ہی۔ **مصرع**

عشق می گویم و جان می دہم از لذت او

(۲) عشق مین گو ہزارون مصیبتین پیش آتی ہین، بہت سے سخت دشوار گذار مقام آتے ہین، منزل کا پتہ نہین ملتا، لیکن ہر مصیبت لذت کش ہوتی ہی، ہر درد دوا معلوم ہوتا ہی، ہر قدم پر منزل کا آرام نصیب ہوتا ہی

رہروان را خستگی راہ نیست ——— عشق ہم راہ است وہم خود منزل است

عاشق فریاد کرتا ہی لیکن اسلئے نہین کہ کیون گرفتار ہوا بلکہ اسلئے کہ اتنے دن بے گرفتاری مین کیون گذرے

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر ——— خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

عاشق اگرچہ محبوب کے ظلم و ستم، اور بے وفائی و بے اعتنائی سے تنگ آجاتا ہی لیکن پھر غور کرتا ہی تو نظر آتا ہی کہ ان سب باتون کے ساتھ عشق مین جو لذت ہی کسی چیز مین نہین،

جائے ہنوز نیست بہ ذوقِ دیارِ عشق ——— ہر چند ظلم ہست و ستم ہست و داد نیست

عشق کی تکلیفون مین وہ لذت ہی کہ اس سے جی نہین بھرتا، زخم پر زخم کہانے کو جی چاہتا ہی

خویش را بر نوکِ مژگانِ ستم کیشان زنم ——— آنقدر زخمے کہ دل می خواست در خنجر نبود

عاشق کو مریضون کے مقابلہ مین اپنی ترجیح کا اسی بنا پر دعوی ہوتا ہی کہ اسنے زیادہ زخم کہائے ہین،

ما و بلبل عرض چاک سینہ می کردیم دوش ——— ناز پرورد گلستان زخم خارے ہم نداشت

(۳) ہر چیز جب کمال کو پہونچتی ہی تب اسکا اثر مترتب ہوتا ہی لیکن عشق آغاز سے انجام تک، لذت بخش اور لطف انگیز ہی،

عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است دماغ ——— این ثمر ایست کہ ہم پختہ وہم خام خوش است

(۴) عشق کا بڑا وصف یہ ہی کہ تمام رذیل اخلاق شریفانہ اخلاق سے بدل جاتے ہین، بغض کینہ، حسد، خود پرستی، فخر و غرور، فنا ہو جاتے ہین، طبیعت مین رقت اور سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے،

اور انسان ایک عام محبت اور کشش سے لبریز ہو جاتا ہی، حضرات صوفیہ جب طالب کو تزکیۂ نفس کی تعلیم کرنا چاہتے ہین تو سب سے پہلے عشق و محبت کی تعلیم دیتے ہین کہ یہ صیقل تمام زنگ کو پاک کر دیگا، اس مضمون کو نظیری اس طرح ادا کرتا ہی،

ہیچ اکسیر بہ تاثیر محبت نرسد   کفر آوردم و در عشق تو ایمان کردم

غزل کا اصلی مایۂ خمیر عشق و محبت کا اظہار ہی، محبت کا جذبہ جب دل مین پیدا ہوتا ہے تو بے اختیار زبان سے ادا ہوتا ہی، عاشق خود جانتا ہی کہ اظہارِ محبت، نہ صرف غیر ضروری بلکہ خلافِ مصلحت ہی لیکن دل پر قابو نہین ہوتا،

شوق نگذاشت کہ در دست نہم بر دلِ خویش   ورنہ این سوز ہنوز از تو نہان می بایست

چونکہ محبت کے دعوی مین عاشق کو مزہ آتا ہی اسلیے طرح طرح سے ادا کرتا ہی، کبھی معشوق کو مخاطب بناتا ہی اور مختلف پُر اثر طریقون سے اُسکو اپنی شیفتگی، وفا شعاری، جان نثاری اور جانبازی کا یقین دلاتا ہی، کبھی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کھتا ہی، کبھی اس سے بھی غرض نہین ہوتی کہ مخاطب کون ہی؟ جسطرح کسی غریب آدمی کو اتفاقاً کوئی دولت ہاتھ آجاتی ہی اور موقع بے موقع دولتمندی جتاتا پھرتا ہی، اسی طرح عشق کا نشہ ہوتا ہی جسکے سُرور مین عاشق یہ سمجھتا ہی کہ تمام دُنیا کی دولت اسکو ہاتھ آگئی ہی اسلئے بے اختیار فخر و غرور کے لہجہ مین عشق کا دعوی کرتا ہی، یہ تمام باتین فطری اور لازمۂ محبت ہین اسلیے غزل مین سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ مضامین کس حد تک پائے جاتے ہین، اور اُن مین واقعیت اور اصلیت اور جوش و اثر کہان تک ہی، فارسی شاعری نے یہ تمام جذبات پورے زور کے ساتھ ادا کیے ہین عشق کی شدت اور کمال کا اظہار عرب کا شاعر اس طرح کرتا ہی، میرے پاس عشق اُس وقت آیا جب مین یہ بھی نہین جانتا تھا کہ عشق کیا چیز ہی، اُسنے جو خالی جگہ پائی تو جم کر بیٹھ گیا،" ایک ایرانی شاعر کہتا ہی،

نہ دام دانم، نہ دانہ این قدر دانم   کہ پاے تا بہ سرم ہرچہ ہست در بند است

مباحث حاضرہ

جنگ اور اخلاق

یا

موجودہ جنگ سے کچھ اسباق

ازمولانا عبد السّلام ندوی

دنیا فطرت کے رازہائے سربستہ کا ایک مقفل خزانہ ہی لیکن دنیا کی ترقی، تنزل، عروج، زوال، اور تغیر و انقلاب کے اسرار نہانی سب سے زیادہ خونین چادرون کے اندر چھپے ہوئے ہین، افریقہ کا صحراے اعظم، عرب کا چٹیل میدان، قطب شمالی کی برف آلود سطح اگرچہ بالکل سادہ ہے، تاہم چشم عبرت بین کو اس مین تاریخ عالم کے سیکڑون رموز و اسرار نظر آتے ہین لیکن اس تاریخ کا سب سے عبرت انگیز وہ صفحہ ہی جسکو خون کے چھینٹون نے رنگین کر دیا ہی،

دنیا سیکڑون بار بن کر بگڑ چکی ہی، ہزارون بار نظام عالم الٹ پلٹ چکا ہی، لاکھون بار سلطنتون کے نقشے بدل چکے ہین لیکن اس انقلاب کی تاریخ نہ یونان کی اکاڈیمی مین مل سکتی ہی نہ مامون کا بیت الحکمۃ اسکی تفصیل بتا سکتا ہی، نہ کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیان اسکی تشریح کر سکتی ہین، اُنکا ترجمان صرف تلوار کی زبان ہی، جو ہمیشہ اَن پڑھ سپاہیون کے ہاتھ مین چمکتی رہی ہی

لیکن جنگ نے دنیا مین جو تغیرات و انقلابات پیدا کیے ہین اُنکا یہ مادی پہلو ہی، روحانی حیثیت سے اس انقلاب کا سب سے زیادہ نمایان منظر نظام اخلاق کے اندر نظر آتا ہی، جنگ کے اغراض و مقاصد عموماً مادی ہوتے ہین، اسکو مارا، اُسکو لوٹا، اُسکو اجاڑا، اُسکو ویران کیا، تاریخ جنگ کے نمایان ابواب ہین، لیکن ان مادی تغیرات کے ساتھ جنگ نظام اخلاق کو بھی یکسر بدل دیتی ہی،

بزدل، شجاع بنجاتے ہین، بہادر، بزدل ہوجاتے ہین، عیب ہنر بن جاتا ہی، ہنر عیب ہوجاتا ہی
مثلاً جاسوسی، دامنِ اخلاق کا بدنما داغ ہی، لیکن جنگ کے زمانے مین وہ ایک قومی خدمت سمجھی
جاتی ہی، حلم، عفو، مسامحت اور درگذر پیغمبرانہ اخلاق ہین لیکن اگر میدان جنگ مین اُنسے کام لیا جائے
تو دفعۃً فوجی رُوح کا خاتمہ ہوجائے اور میدانِ جنگ دارالامان بنجائے، فخر وغرور و دروغ بیانی بھی
اسی قسم کی اخلاقی کمزوریان ہین، جو جنگ کے زمانے مین ہنر بنجاتی ہین یا کم از کم انکو عیب نہین
سمجھا جاتا، فتح کی حالت مین ایک فاتح فخر وغرور کے نشہ مین چُور ہوکر جو کچھ زبان سے بولتا ہی
وہ رندانِ قدح خوار کی ژاژخوائیون سے کم نہین ہوتا، شکست کی خبرون پر توبہ تو پردے ڈالے
جاتے ہین، ہزیمت کی عجیب وغریب توجیہ کی جاتی ہی، اور جو کچھ کہا جاتا ہی وہ خدع و فریب،
مکر وحیل اور دسائس سیاسیہ کا ایک شرمناک انبار ہوتا ہی جس پر صرف فوجی مصلحت ہی
پردہ ڈال سکتی ہی، دُنیا کی تاریخ مین ہمیشہ ایسا ہوا ہی، اور آج اس تہذیب وتمدن کے زمانہ مین بھی
شکست خوردہ حریف یہی کر رہے ہین،

اسلام ابتدا ہی سے مقاومت ومدافعت کا جولانگاہ رہا ہی، اُسکو فتح بھی ہوئی ہے
اور اُس نے شکست بھی کھائی ہی، اہل عرب بالطبع مغرور اور فخّار تھے، اور شکست وہزیمت کو
تمام قومون سے زیادہ موجبِ ننگ وعار سمجھتے تھے، اس بنا پر اس امر کا فیصلہ کہ غزوات اسلامیہ کا
مقصد رُوحانی تھا، یا اُنکے پردے مین مادّی اغراض کام کر رہے تھے، صرف اس طریقہ سے
ہو سکتا ہی کہ **قرآن مجید** اور احادیث مین واقعاتِ جہاد کو کس اسلوب سے بیان کیا گیا ہے؟
فتوحات پر دُنیوی فخر وغرور کیا گیا ہی یا نہین؟ شکست وہزیمت کی کوئی سیاسی توجیہ کی گئی ہے یا
صداقت کے ساتھ انکا اعتراف کیا گیا ہی؟ فتوحات اسلامیہ مین سب سے زیادہ نمایان فتح
وہ ہی جو غزوۂ بدر مین حاصل ہوئی، فتح کے بعد کوئی شخص اپنی کمزوری کا اعتراف نہین کرتا، لیکن

قرآن مجید نے بالکل اسکے خلاف اسلوب بیان اختیار کیا ہی،

اِذْ ھَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا | جبکہ تم مین دو گروہ نے بزدلی کا اظہار کیا،

اتنی عظیم الشان فتح کو نہ فوجی طاقت کا نتیجہ بتایا، نہ مسلمانون کے عزم واستقلال کی مبالغہ آمیز
تعریف کی، بلکہ اسکو صرف تائید غیبی کی طرف منسوب کیا،

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ | اور فتح صرف خدائے غالب ودانا کیطرف سے ہوتی ہی،

نہ صرف اسیقدر، بلکہ مسلمانون کو علانیہ اُن اخلاق کے اختیار کرنے سے منع کیا جو دنیوی لڑائیون کا
نتیجہ ہوتے ہین،

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ | اور ان لوگون کی روش نہ اختیار کرو جو گھر سے شیخی مین صرف نمائش کے لئے نکلے،

اسی کے مقابل مین غزوہ اُحد کی شکست ہی، جو صرف اس بنا پر ہوئی کہ صحابہ کرام نے
رسول اللہ صلعم کے حکم کی خلاف ورزی کی، اور مالِ غنیمت پر لوٹ پڑے، یہ شکست غزوہ بدر کی
فتح کا پورا جواب تھی، جس پر کفار شدّت کے ساتھ فخر کرتے تھے، اور خوش ہوتے تھے، لیکن
بااین ہمہ **قرآن مجید** نے کھلی ہوئی صداقت کے ساتھ اس کا اعتراف کیا ہی، اور شکست کی
اصلی وجہ بیان کر دی ہی،

وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ | خدا نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم کفار کو اسکے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہانتک کہ جب تم بزدل ہوگئے اور پیغمبر کے حکم مین اختلاف کیا، اور اُسکی نافرمانی کی بعض تم مین سے دنیا (غنیمت) کے پیچھے پڑ گئے، اور بعض نے آخرت کی فکر کی، پھر خدا نے تم کو کفار سے پھیر دیا تاکہ تمہین

ثم صرفکم عنهم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین، اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم فی اخرٰیکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون،

آزمائے، اور تمہارے جرم فرار کو معاف کیا، خدا مسلمانوں پر احسان کرنے والا ہے، وہ وقت یاد کرو جب تم بھاگے جا رہے تھے اور کسی کیطرف مڑ کر نہین دیکھتے تھے اور پیغمبر تمہارے پیچھے کھڑے ہوئے تم کو بلا رہے تھے، تو پیغمبر کو تم نے جو دکھ دیا خدا نے اسکے بدلے مین تم کو بھی رنج دیا تاکہ جب تم کو ناکامیابی ہو یا کوئی مصیبت آئے تو غمگین نہ ہو جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے واقف ہے،

ابتداءً اسی قسم کی ایک اور شکست غزوۂ حنین مین ہوئی، اُسوقت مسلمانون کی تعداد مین بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا، اور انکو اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن با این ہمہ انکو پیچھے ہٹنا پڑا، اس غزوہ مین شکست کے بعد فتح بھی ہوئی، اِسلئے آسانی کے ساتھ ابتدائی ہزیمت کی توجیہ کی جاسکتی تھی لیکن قرآن مجید نے علانیہ اُس کا اعتراف کیا،

ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین،

خدا نے بہت سے مقامات مین تمہاری مدد کی اور جنین کے دن جبکہ تم کو اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن اُس نے تم کو کچھ فائدہ نہین پہونچایا، اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم نے پیٹھ پھیر لی۔

صحابہ کرام جو بالکل متخلق باخلاق القرآن تھے، اگر کبھی اس قسم کا افسوسناک موقع پیش آیا ہی تو اُنھون نے بھی بغیر کسی قسم کی تاویل و توجیہ کے علانیہ اپنی کمزوری کا اعتراف کیا ہے، ایک غزوہ مین صحابہ کرام میدان جنگ سے پیچھے ہٹ آئے، لیکن بعد کو اس پر ندامت ہوئی اور سب نے کہا "اب کیا کرنا ہوگا؟ میدان سے بھاگ آئے، اور ہم پر خدا کا غضب نازل ہوا" آخر رائے یہ

قرار پائی کہ مدینہ مین جائین تو ایسے مخفی طریقہ سے کہ کوئی دیکھنے نہ پائے، مدینہ مین پہونچکر سب نے مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہونا چاہئے، اگر توبہ مقبول ہو گئی تو خیر ورنہ پھر واپس آئینگے، نماز فجر سے پہلے سب کے سب مسجد مین آکر بیٹھ گئے، آپ کاشانۂ نبوت سے برآمد ہوئے تو سب نے یکزبان ہوکر کہا کہ "ہم فرار ہین" آپ نے فرمایا، "نہین تم کرار ہو" یہ سنا تو سب نے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ چوم لئے،[1]

ان تمام مثالون سے ثابت ہوتا ہی کہ جہاد اسلامی کی حقیقت تمام دنیوی لڑائیون سے مختلف تھی، اور اس بنا پر اس مین ان دسائس کا شائبہ تک نہین پایا جاتا جو دنیوی لڑائیون کا خاصۂ لازمی ہین، اسلام دنیا مین صرف حق و صداقت کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے آیا تھا اسی کیلئے اس نے تلوار میان سے نکالی تھی، اور اِسی کے لئے اُس نے میدان جنگ مین قدم رکھا تھا اسلئے اسکو اسکی پروا نہ تھی کہ دنیوی حیثیت سے کسکا جھنڈا سرنگون ہوا اور کسکی گردن بلند ہوئی؟ وہ حق کا علمبردار تھا اور رایتِ صدق شکست کے اعتراف کے ساتھ بھی اسی طرح لہرا سکتا ہی جسطرح فتح کی بشارت اسکو بلند کر سکتی ہی، اِسلئے اُس نے نہ شکست کے اعتراف مین شماتتِ اعداء کی پروا کی، نہ فتح کے اعلان کو فخر و غرور کا مظہر بنایا، بلکہ ہر حالت مین سچائی کا بول بالا رکھا، لیکن دنیوی لڑائیان جاہ و عزت کے حصول کے لئے کی جاتی ہین، اسلئے جب اس مقصد کو صدمہ پہونچتا ہی تو ہر قسم کے مکر و فریب، خدع و حیل، اور توجیہ و تعلیل سے کام لیا جاتا ہی، اور اس طریقہ سے اپنے زخمِ دل پر تو مرہم رکھا جاتا ہی لیکن سچائی کی گردن پر چھری پھیری جاتی ہی۔

[1] ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی التولی یوم الزحف،

تقریظ وانتقاد

حقائق اسلام

مؤلفہ

مفتی انوارالحق صاحب ایم اے ڈائرکٹر تعلیمات ریاست بھوپال

مفتی صاحب، اپنی کثرت تصنیفات کی بنا پر ہماری روشناسی کے محتاج نہین اضافی حیثیت سے انکو یہ شرف حاصل ہی کہ وہ شمس العلما مفتی عبداللہ صاحب ٹونکی کے فرزند رشید ہین، لیکن سلف فروشی کی بجائے وہ خود اپنی ذات کے لحاظ سے بھی مستقل فخر ومزیت کے مالک ہین، اس سے پہلے وہ رسالہ اثبات واجب الوجود، تاریخ ابی البشر وغیرہ کتب عدیدہ کے مصنف ہین، اثبات واجب الوجود کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہی کہ حضرۃ الاستاذ نے الندوہ مین اس کتاب پر مادحانہ تقریظ فرمائی تھی،

مفتی صاحب نے آجکل ہر ہائینس والیہ عالیہ بھوپال خلد اللہ ملکہا وادام اقبالہا الاجلال کی فرمائش سے اپنی ایک تازہ تصنیف حقائق اسلام کے نام سے شائع فرمائی ہی، معارف کے گذشتہ نمبر مین ہم نے اس کتاب کا مطبوعات جدیدہ کے ضمن مین ذکر کیا تھا، لیکن کتاب کی اہمیت مقتضی تھی کہ تقریظاً بھی اسکے متعلق کچھ کہا جائے،

مخالفین اسلام نے، اسلام پر جو اعتراضات کیے، وہ اگرچہ درحقیقت بالکل تمسخر انگیز تھے لیکن انھون نے انکا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا کہ اہل اسلام مین ہر طبقہ کے لوگ انسے متاثر ہوئے، اور اس بنا پر ہر طبقہ کے لوگون نے انکی طرف توجہ کی، جو اعتراضات تاریخی تھے انکا جواب مورخین نے دیا، جنکا تعلق فلسفہ وسائنس سے تھا، جدید تعلیم یافتہ اصحاب نے

انکی تردید کی، جو قانونی اور تمدنی حیثیت رکھتے تھے مصنفین نے انکے پرچے اڑائے، یہان تک کہ مقررین وخطبار نے انکو وعظ وپند مین بھی شامل کر لیا، اور ان اعتراض کی تردید وعظ ونصیحت مین بھی کی جانے لگی، تاہم اردو زبان مین ابتک کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہ تھی جو ان تمام حیثیتون کی جامع ہو، یعنی اس مین مخالفین کے اعتراضات کے جواب تاریخ، سائنس، قانون وتمدن غرض ہر حیثیت سے دیے گئے ہون، لیکن الحمد للہ کہ حقائق اسلام نے یہ کمی پوری کر دی ہے اس کتاب مین فاضل مصنف نے دعوی کیا ہی کہ اسلام دین فطرت ہی، اور اسکے تمام مسائل فطری قوانین کے مطابق ہین، اور اس دعوی کو پیش نظر رکھکر چار حصون مین اسلام کے عقائد، عبادات معاملات، اور رسم ورواج وغیرہ کی تشریح کی ہی، اسی ضمن مین غیر مذاہب کے عقائد وعبادات کا مقابلۃً ذکر آگیا ہی، اور مصنف نے اجمالی طور پر انکی تاریخ بیان کر دی ہی، اس طرح اس کتاب کے ذریعہ سے غیر مذاہب سے بھی کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہی،

یہ دعوی کہ اسلام ایک فطری مذہب ہی، خود قرآن مجید نے کیا ہی، اسلئے جن لوگون نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہی، اسکو بطور اصول موضوعہ کے پیش نظر رکھا ہی لیکن اسکے اثبات مین ایسے علمی دلائل پیش کئے ہین، جن سے اسلام کی روحانیت بالکل دب جاتی ہی، اور قرآن مجید علم الحیوانات، علم النباتات، ہیئت اور فلسفہ کی کتاب بن جاتا ہی لیکن مصنف نے ان دور از کار مباحث کو بالکل نظر انداز کر دیا ہی، اور یہ دعوی کیا ہی کہ اسلام نے روحانی حیثیت سے تمام عقائد وعبادات کو سائنس سے قریب تر کر دیا ہی، مثلاً اسلام کے عقائد مین توحید ایک ایسا روحانی عقیدہ ہی جو نفیاً یا اثباتاً سائنس کے دائرۂ بحث مین نہین آتا، لیکن مصنف کا دعوی ہی کہ اسلام نے اس عقیدہ کو بھی سائنس سے قریب تر کر دیا ہی، چنانچہ فرماتے ہین:

"سائنس نے واقعات کائنات کو ایک سلک انتظام مین منسلک کیا، اور یون ان

بے شمار دیوتاؤن کا وجود مٹ گیا جو ہر ایک قدرتی قوت مین کارفرمانے گئے تھے،

اور انکی جگہ ایک قادرِ مطلق کا وجود قابل تسلیم ہوگیا،

عقائد اسلامیہ مین سب سے پیچیدہ مسئلہ تقدیر ہی، مصنف نے اسکے ہر پہلو کو لیا ہے اور نہایت مدلّل بحث کی ہی، پہلے تو یہ ثابت کیا ہی کہ انسان بالکل فاعل مختار نہین ہی، بلکہ ایک بڑی حد تک مجبور ہی، اور اس پر پروفیسر رڈپاتھ کی تاریخ عالم سے ایک اقتباس پیش کیا ہی، جس سے نہایت وضاحت کے ساتھ یہ پہلو نمایان ہو جاتا ہی، لیکن اب سوال یہ ہوتا ہی کہ انسان اگر مجبور ہے تو اس سے اسکے اعمال سے کیون بازپرس کیجاتی ہی، اسکے جواب مین مصنف نے لکھا ہی کہ باوجود ان مجبوریون کے انسان کو یہ اختیار ہی کہ قابل مواخذہ چیزون سے احتراز کرے، انسان باوجود تمام کوششون کے مفلس رہ سکتا ہی، لیکن وہ ناجائز ذرائع معاش کے اختیار کرنے پر مجبور نہین ہی، یہی اعمال ہین جن پر خدا مواخذہ کرتا ہی، باقی جو اعمال انسان کے دائرۂ اختیار سے خارج ہین، انکی نسبت خود خدا نے فرما دیا ہی، لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا،

مسئلۂ تقدیر پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہی کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جو کچھ ہوتا ہی، خدا کی طرف سے ہوتا ہی تو یہ لازم آئیگا کہ برائیان بھی اسی کی طرف منسوب ہون، حالانکہ خدا خود قرآن پاک مین فرماتا ہی کہ برائیان انسانی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہین، وَمَا اَصَابَکَ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَمِنْ نَفْسِکَ مصنف نے اصول سائنس کے مطابق اُس کا یہ جواب دیا ہی کہ خدا نے دنیا مین مادّی اور روحانی دونون حیثیتون سے ایک ازلی نظام قائم کر دیا ہی، اور اس سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ تمام دنیا کو بتا دیا ہی، اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا، اس بنا پر خود یہ نظام مصدر سیئات نہین ہو سکتا، البتہ اسکے غلط استعمال سے برائیان پیدا ہو سکتی ہین، اور یہ غلط روی خود انسان کے اختیار مین ہی، اور اسی اختیار کی بنا پر وہ تمام حیوانون سے ممتاز ہی،

عبادات مین مصنف نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کو لیا ہی، اور اُنکے فلسفیانہ، تمدنی اور روحانی علل واسباب بتائے ہین، اور اسی سلسلہ مین غیر مذاہب کی عبادات سے اُن کا مقابلہ کیا ہی، روزہ کی نسبت لکھا ہی کہ وہ حیوانی خواہشات کے روکنے کا ایک موثر ذریعہ ہے، اور چونکہ اس زمانے مین حیوانی جذبات کے محرکات بہ نسبت زمانہ قدیم کے بہت زیادہ ہو گئے ہین، اسلئے علی زعم نشاءۃ جدیدہ یہ دعوی کیا ہی کہ بہ نسبت زمانۂ جاہلیت کے اس زمانہ مین روزہ کی ضرورت زیادہ ہی، اسکے بعد مستند ڈاکٹرون کی شہادت سے اُن حیلہ جو لوگون کا جواب دیا ہی جو روزہ کو صحت جسمانی کے لیے مضر سمجھتے ہین، اور ثابت کیا ہی کہ وہ تقویت دماغ کے لئے بیحد مفید ہی، ابن خلدون نے بھی لکھا ہی کہ کثرت اُکل وشُرب سے دماغی قوا مضمحل ہو جاتی ہین، چنانچہ تمام انبیاء، صلحا، صوفیہ وغیرہ کو جنکی قوت دماغی وحی، الہام اور مکاشفات کا مظہر تھی، کبھی پیٹ بھر کھانا میسّر نہین ہوا،

اخلاقی حیثیت سے یہ ثابت کیا ہی کہ اس سے ہمکو دوسرے مفلس اور فاقہ مست لوگونکی حالت کا عملی تجربہ ہوتا ہی، اور اس سے اُنکے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی ہی، مصنف نے غالباً یہ ضروری نکتہ خود پیدا کیا ہی، لیکن اگر انکو یہ معلوم ہوتا کہ علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب زاد المعاد مین اسکو لکھا ہی تو وہ نہایت خوش ہوتے اور اپنی جدت آفرینی کی خود داد دیتے،

اسی طرح اور تمام مسائل پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہی، اور سلسلۂ بیان مین وہ صرف مصنف ہی نہین معلوم ہوتے بلکہ ایک خالص مذہبی آدمی کی شکل مین نمودار ہوتے ہین، تعجب ہی کہ اس مشہور فقرہ کو کہ اطلبوا العلم ولو کان بالصین اسطرح لکھا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ دیگر عام اشخاص کیطرح وہ بھی اسکو حدیث سمجھتے ہین حالانکہ محدثین نے اُسکو موضوعات مین شمار کیا ہے،[۱]

[۱] ضخامت ۲۰۰ ، ۳ صفحہ، طبع و کاغذ متوسط، مصنف کے علاوہ دار المصنفین کے دار الاشاعۃ سے بھی ملیگی، قیمت ۱۲؍

محمڈنزم

نقد: مولوی محمد عباس ایم، اے، پروفیسر سینٹ زویر کالج بمبئی،

پروفیسر عباس ایم، اے، فیلو آف بمبئی یونیورسٹی اُن خاموش فضلائے ہند مین ہین جو نام نہین صرف کام کرنا جانتے ہین، عربی اور انگریزی کے وہ یکسان فاضل ہین، علی گڈہ کالج کے بہت پُرانے طالب العلم ہین، مسٹر آرنلڈ اور مولانا شبلی کی صحبتون سے مستفید ہوئے ہین، اسوقت گو وہ ایک نہایت چھوٹا سا تحفہ ناظرین کی خدمت مین پیش کرتے ہین، لیکن اُمید ہی کہ آیندہ اپنے نتائج افکار کے کسی طویل و محقق سلسلہ سے بھی مستفید فرمائینگے، "تقریظ و انتقاد" اور "مطبوعات جدیدہ" کے تحت مین ابتک ہم نے صرف عربی و اُردو تصنیفات کا ذکر کیا ہی، اگر ہمکو ایسے احباب ہاتھ آجائین جیسے پروفیسر موصوف ہین تو نہایت آسان ہی کہ معارف اسلام کے متعلق ہر تازہ تصنیف کے ذکر سے بھی خالی نہو،

امریکہ مین ایک سوسائٹی ہی جو ہر سال مختلف علماء سے مذاہب مختلفہ پر لکچر دلوایا کرتی ہے اس سوسائٹی کا نام "مذاہب مختلفہ کی تاریخ پر لکچر دلوانے والی امریکن کمیٹی ہی" پروفیسر ہرگرونجے اسی کمیٹی کی سرپرستی مین اسلام پر جو لکچر دیئے تھے، انکا مجموعہ "محمڈنزم" کی صورت مین ابھی حال مین شائع ہوا ہی،

پروفیسر ہرگرونج اسلام کے ان جفاکش یورپین محققین مین سے ہین، جنھون نے گویا ساری عمر اسی کام پر وقف کردی ہی، وہ ۱۸۸۴ء اور ۱۸۸۵ء مین جدہ اور مکہ معظمہ کی زیارت کو گئے، ۱۸۸۸ء مین اس سفر کے حالات اپنی کتاب "مکہ" مین شائع کئے، ۱۸۸۹ء مین ایک مختصر لغت مکہ معظمہ کی عربی زبان کے متعلق لکھا،

انکی کتاب "محمڈنزم" ایک خاص حیثیت سے قابل دید ہی، یہ یورپین خیالات کی اس سلسلہ کی آخری کڑی ہی، جنھون نے آنجناب صلعم اور اسلام کی طرف سے بتدریج اہل یورپ کے دلون کو صاف کیا ہی،

ایک وہ زمانہ تھا کہ فرانس کے سب سے روشن خیال محقق گیگنیر نے ۱۷۳۲ء مین باوجود آنجناب صلعم کی خوبیون کا اعتراف کرنے کے معاذ اللہ آپ کو بنی نوع انسان کا سب سے بڑا شیطان اور خدا کا سب سے بڑا دشمن بتایا تھا، سو برس بعد ایک اور عالم پروفیسر وائل پیدا ہوا اس نے ۱۸۴۳ء مین مقدم الذکر سے بہتر آپکے حق مین رائے دی، اور بتایا کہ اس لحاظ سے کہ آپ نے توراۃ اور انجیل کے بہترین احکام ان لوگون مین شائع کیے، جن مین ایمان کی جھلک بھی نہین آئی تھی غیر مسلم بھی آپ کو پیغمبر خدا مان سکتے ہین،

اسکے بعد سر ولیم میور اور ڈاکٹر اسپرنگر کی باری آئی، اُنھون نے یورپ کے آلودہ مطلع سے شبہات کے غبار کو اور زیادہ ہٹایا، لیکن آنجناب صلعم کی نیت پر جو انھون نے حملے کئے تھے وہ نہ فقط اُن پر بلکہ اُنکے بعد کے مصنفین مثلاً نولدیکی اور ڈاکٹر مارگولیوتھ کی کتابون پر بھی ایک بدنما داغ کی صورت مین موجود ہین، محمڈنزم کے مصنف نے اگرچہ اور سرسری غلطیان کی ہین لیکن آنجناب صلعم کی نیت پر کوئی حملہ اور آپکی وحی کی صداقت مین کسی قسم کا شبہہ نہین کیا، ہر قسم کے واقعات کو نہایت بے تعصبی کے ساتھ قلمبند کیا ہی، لطف یہ کہ اہل تشیع کی تاریخ پر اعتبار نہین ظاہر کرتا، فرقہ اسلامیہ مین سے اہل سنت کا سب سے زیادہ طرفدار ہی،

اُمید ہی کہ آیندہ تصنیفات اس سے ایک قدم اور آگے بڑھائینگی،

اور کھل جائینگے دو چار ملاقاتون مین،

مسائل و فتاوی

مسئلہ انتقال جائداد بنام اشخاص غیر مولود

(۲)

فتاوی شامی کی جو عبارت ہم نے پہلے نقل کی ہی اس مین یہ تخصیص نہین کہ وہ محمول بچہ جسکے حق مین وصیت کی جاتی ہی، وہ آیا خود موصی کا ہی یا کسی دوسرے کا اسی قسم کی مجمل عبارتین فقہ حنفی کی تمام کتابون مین ملتی ہین،

ہان فقہ حنفی کا ایک دوسرا مسئلہ یہ ہی کہ وارث کے لئے وصیت درست نہین، اور اس مسئلہ پر حدیث لاوصیۃ لوارث سے استدلال ہی، اس حدیث کے تمام طرق روایت گو متکلم فیہ ہین، تاہم چونکہ مختلف طریقون سے اکثر اصحاب سنن ومسانید نے اُسکی روایت کی ہی، اس بنا پر مجموعی حیثیت سے وہ قابل حجت سمجھی جاتی ہی،

اصل یہ ہی کہ وارث خود ترکہ کے مستحق ہوتے ہین، اور بحیثیت وارث وہ مساوی الدرجہ ہین اس حالت مین اگر کسی خاص وارث کے نام کوئی وصیت جائز رکھی جائیگی تو ترجیح بے استحقاق لازم آئیگی، یعنی موصی لہ وارث دو قسم کے حصون کا مستحق ہو گا، ایک حصہ تو بحیثیت وراثت کے پائیگا اور دوسرا حصہ وصیت کے مطابق اسکو ملنا چاہیئے اس بنا پر دیگر ورثہ جن کا اس سے نقصان لازم آتا ہی، اگر اس وصیت کو جائز رکھین تو وصیت اس وارث مخصوص کے حق مین درست ہوگی، ورنہ رد ہو جائیگی، علامہ مرغنانی، ہدایہ مین لکھتے ہین،

ولا تجوز لوارثہ لقولہ علیہ السلام ان اللہ تعالی اعطی کل ذی حق حقہ الالاوصیۃ لوارث ولانہ یتاذی البعض بایثار البعض ففی تجویزہ قطعیۃ الرحم،

مورث دمی کی وصیت اپنے وارث کے حق مین جائز نہین کیونکہ آپ نے فرمایا ہی کہ خدا نے ہر صاحب حق کو وراثت کے ذریعہ سے اسکا حق دیدیا، اب وارث کے لئے وصیت نہین اور نیز اس بنا پر کہ بعض ورثہ کو اس سے نقصان پہونچیگا، اسلئے اسکے جائز رکھنے مین قطع رحم ہی،

آگے چل کر مذکور ہی:

الاان تجیزھا الورثۃ،

لیکن یہ کہ ورثہ اس وصیت کو جائز رکھین،

اُسکی دلیل یہ دی ہی،

ویروی ھذا الاستثناء فیما رویناہ ولان الامتناع لحقھم فتجوز باجازتھم،

اسلئے ہم نے جو حدیث روایت کی ہی اس مین یہ استثنا بھی روایت کی گئی ہی اور اسلئے کہ اس وصیت کا عدم جواز اسکے نقصان حق کی بنا پر تھا پس اگر وہ جائز رکھین تو درست ہے،

اسکے بعد دوسری بات قابل غور یہ ہی کہ واضع قانون نے جیسا سمجھا ہی کہ اسلام نے نازائیدہ فرزند کے حقوق کی حفاظت کا کوئی سامان نہین کیا ہی، صحیح نہین ہی، اس کا فیضان کرم انسانیت کے ہر مرتبہ اور درجہ تک عام ہی، حمل کے قواعد مذکورہ کے مطابق، مورث کا وہ بچہ بھی جو ابھی پیدا نہین ہوا اور حمل مین ہی، وہ بھی ترکہ کا مستحق ہی، جب وہ پیدا ہوگا دیگر موجود ورثہ کی طرح وہ بھی اپنے مورث کا جائز وارث ہی،

الحمل یرث ویوقف نصیبۃ باجماع الصحابۃ رض فان ولد الی سنتین حیا ورث،

(عالمگیری میراث الحمل)

حمل مین جو بچہ ہی وہ وراثت پائیگا اور اس کا حصہ روک رکھا جائیگا، اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہی پس اگر دو برس کی مدت کے اندر زندہ پیدا ہوا تو وارث ہوگا،

وجوہ بالا کی بنا پر نازائیدہ بچہ زندہ پیدا ہو کر وراثت کا بھی مستحق ہوگا، اور اگر کوئی وصیت اسکے حق مین کی گئی ہی تو دیگر ورثہ کی رضامندی سے اس وصیت سے بھی فائدہ اٹھا سکیگا،

اب بحث یہ رہجاتی ہی کہ اگر اشخاص غیر مولود سے فرزند حقیقی مراد نہین بلکہ بیگانہ اشخاص یا وہ اعزہ مراد ہین جنکو وراثت کا حق نہین پہونچتا مثلاً نواسہ یا پوتا جبکہ محجوب ہو یا دیگر محجوب اعزہ گذشتہ قواعد حمل کے مطابق وہ بلاتردد وصیّت کے جائز مستحق ہین، اور دیگر ورثہ کی منظوری کی شرط انکے لئے ضروری نہین کہ وہ صرف وارثین کے لئے مخصوص ہی اور وہ وارث نہین، عالمگیری مین ہی،

وتصح الوصية للحمل وبالحمل وان ولدت لاقل من ستة اشهر من وقت الوصية .. واذا اوصى الرجل لما في بطن امرأة ثم وضعت بعد موته او بعد الوصية بشهر ولدا ميتا فلا وصية له وان ولدت حيا ثم مات فالوصية جائزة من الثلث وتكون ميراثا بين ورثته،

حمل مین جو بچہ ہی اُسکے حق مین اور خود اُسکے متعلق وصیت صحیح ہی اگر وصیت سے چھ مہینہ سے کمتر زمانہ مین پیدا ہوجائے ... اگر کسی شخص نے کسی عورت کے شکم مین جو بچہ ہی اُسکے حق مین وصیت کی اور موصی کے مرنے کے یا وصیت کے ایک مہینہ بعد مردہ پیدا ہوا تو وصیت ٹوٹ جائیگی اور اگر زندہ پیدا ہوا اور پھر مرگیا تو وصیت ثلث مال مین جائز ہی جیسا کہ وصیت کا عام قاعدہ ہی) اور وہ جائداد بچہ کے ورثہ کو ملیگی، اگر دو بچے پیدا ہوئے ایک مردہ اور ایک زندہ تو وصیت زندہ کو ملجائیگی،

سب سے آخر صورت یہ ہی کہ یہ وصیت ایسے نازائیدہ شخص یا اشخاص کے لئے کیجائے جو حمل مین بھی نہین ہین - موصی یہ کہتا ہی کہ آج سے کسی زمانہ اور مدت کے بعد بھی فلان شخص کے کوئی بچہ پیدا ہو تو اُسکے حق مین اس جائداد کے اسقدر حصہ کی وصیّت ہی تو شریعت اسلامیہ کے اصول و قواعد کے رو سے اس قسم کی وصیت صحیح نہوگی، اور اسلام کی شریعت اس بارہ مین حق بجانب ہی، دنیا مین تمام معاملات مالی کا تعلق زندہ اشخاص سے ہی خواہ اسوقت وہ موجود ہون یا آئیندہ کسی قریب زمانہ مین اُنکے وجود کی غالب امید ہو (مثلاً حمل کی صورت مین)، لیکن وہ آئندہ پیدا ہونے والا انسان ! جو نہ موجود ہی اور نہ محمول ہی، اُسکے متعلق کسی قسم کے قانون استحقاق کا تعلق ایک ناقابل عفو حماقت ہی -

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ حالی

(۱)

بنام مولانا شبلی نعمانی مرحوم

اس باب کے تحت مین مشاہیر ادبائے ہند کے مکاتیب اور انشا پردازانہ مختصر تحریرین کبھی کبھی مندرج ہونگی، ہمارے احباب اگر سلسلہ کے قائم رکھنے مین مدد دینگے تو انکی بڑی عنایت ہوگی،

یہ خط قصیدۂ کشمیریہ کی رسید ہی جسکا مطلع یہ ہی،

دوستان انکہ رہ و رسم وفا کیش شماست ... ہیچ دانید کہ شبلی بچہ حال ست و کجاست

للہ الحمد پس از ناخوشی و رنج دراز ... شبلیؔ ما بمراد از سرِ بالین برخاست

آنکہ نامش بکمالات سمر در گیتی است ... آنکہ مشہور در آفاق بہ شمس العلماست

آنکہ گر سر کند افسانۂ فضل و ہنرش ... خامۂ مشکل کہ بپایان بردش بے کم و کاست

آنکہ خوانندش اگر فخرِ زمانِ خود و بس ... کردہ باشند عدول اہل سخن از رہِ راست

بود در علّتِ او علّتِ قومی مضمر ... لاجرم صحتِ او بہر ہمہ قوم شفاست

بسکہ اُو رُوح دمیداست بتاریخ سلف ... ہر قدر فخر بذاتش بکند قوم رواست

زندہ تا دیر بماناد کہ برقدِ کسے ... بعد از او خلعتِ تحقیق نمے آید راست

مولانا - قصیدۂ کشمیریہ کی متعدد کاپیان وصول ہوئین، پہلے اس سے کہ آپ کے عطیہ کا شکریہ ادا کرون، مجھکو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے جس نے مدت دراز کے بعد آپکی صحت کا مژدہ آپ ہی کی

زبانے سنوایا تھا، واقع آپکی حالت نازک ہوگئی تھی اور مرض کو حد سے زیادہ امتداد ہوگیا تھا، باوجودیکہ تبدیل آب و ہوا کی بہت ضرورت تھی مگر آپ کو اس کا موقع نہیں ملا، اب درحقیقت صرف خدا کے فضل پر اور بحسب ظاہر شفیق و ہمدرد معالج پر صحت کا انحصار تھا اذا اراد اللہ شیئا ھیأ اسبابہ ایسی حالت مین ڈاکٹر مصطفےٰ خانصاحب کا اعظم گڈھ مین آنا صاف دلالت کرتا ہی کہ خدا تعالیٰ کو ابھی آپ کی قومی خدمات کا سلسلہ بہت دیر تک جاری رکھنا منظور تھا فالحمد للہ ثم الحمد للہ علی ما انعم علینا بابقائکم فینا وبنعمۃ وجودکم لدنیا،

قصیدہ کی رسید اور شکریہ بھیجنے مین اس سبب سے دیر ہوئی کہ سجاد حسین اسسٹنٹ انسپکٹر مقرر ہوکر راولپنڈی جانے والے تھے، کچھ تو اس وجہ سے چند روز کسی قدر پریشانی رہی، اور زیادہ تر میرے ایک نہایت عزیز بھائی کی علالت کے سبب ایک ہفتہ سخت سراسیمگی اور تشویش مین گذرا، بارے الحمد للہ کہ انکو صحت ہوگئی اور سجاد حسین بھی مع الخیر راولپنڈی پہونچ گئے، اسلئے آج اس نیاز نامہ کے لکھنے کا موقع ملا ہی،

مسٹر آرنلڈ کی تحریر سے اور نیز آپکے ایک اعلان سے جو چودھوین مین چھپا تھا یہ معلوم ہوا کہ اورینٹیل کانفرنس مین جو اس سال رُوم یا اٹلی مین ہونے والی ہی، آپ کا بھی ارادہ تشریف لیجانے کا ہی، اور مین یہ خیال کر رہا تھا کہ آپ روانہ ہوگئے ہونگے، اگر قصیدۂ مذکور کے وصول ہوتے معلوم ہوا کہ ابھی آپ اعظم گڈھ مین تشریف رکھتے ہین، مجھے تاریخ روانگی ٹھیک طور پر یاد نہین ہی معلوم نہین کہ ارادہ فسخ ہوگیا یا تاریخ معین ابھی نہین آئی،

مسٹر بک کے مرنے کا قبل از وقت ایسا افسوس ہی کہ بیان نہین ہوسکتا، سید محمود کی بے اعتدالیان اب حد سے زیادہ بڑھ گئی ہین، اور لوگون کو انکی آڑ مین کالج کے درہم برہم کرنے کا خاصا موقع مل گیا ہی، مین نے سنا ہی کہ محسن الملک کو نواب لفٹننٹ گورنر نے نینی تال پر بلایا ہی

سید محمود کو پریسیڈنٹی سے علٰحدہ کرنا نہایت ضروری ہی، کاش ہز آنر انکے برطرف کرنے کا مشورہ دین، مسٹر ماریسن کو مسٹر بک کی جگہ پرنسپلی پر ولایت سے بلایا گیا ہی، مگر معلوم نہین کہ انھون نے تار کا کیا جواب دیا؟ دو نئے پروفیسر ولایت سے اور بلائے گئے ہین، سر دست کالج کی حالت نہایت نازک ہی، خدا انجام بخیر کرے، زیادہ نیاز،

خاکسار

الطاف حسین حالیؔ، از پانی پت،

۱۸ ستمبر ۱۸۹۹ء

ادبیات

نالۂ شبلی

بر وفات برادر خود مولوی محمد اسحاق بی، اے، ال ال بی وکیل ہائیکورٹ الٰہ آباد

وہ بھی تھا اکدن کہ یہ خشت سرائے دل ‏ — اک محشر نشاط و وفور سرور تھا

رنگینیٔ خیال سے لبریز تھا دماغ ‏ — جو شعر تھا چراغ شبستان حور تھا

سینہ مین تھا چمن کدۂ صد امید نو ‏ — آنکھون مین کیف بادۂ ناز و غرور تھا

اک ایک برگ تھا ورق نوبہار حسن ‏ — ذرّون کے رخ پہ صبح سعادت کا نور تھا

نظر آتا نہین اب صبر کا پہلو مجھکو ‏ — کام دیتے نہین کچھ قوت بازو مجھکو

شہر ویرانہ نظر آتا ہے ہر سو مجھکو ‏ — ہائے افسوس کہان چھوڑ گیا تو مجھکو

جب وہ گنجینۂ امید و تمنا نہ رہا

ایک بیکار زمانہ مین رہا یا نہ رہا

انتقالِ پدرِ پیر بھی دیکھا مین نے ۔۔۔ ماتمِ مادرِ دلگیر بھی دیکھا مین نے

صدمۂ رحلتِ ہمشیر بھی دیکھا مین نے ۔۔۔ دو برادر کو جوان میر بھی دیکھا مین نے

یہ نمائش کدۂ داغِ عزیزان تو ہین

میرا سینہ ہی الٰہی یہ چراغان تو ہین

فریادِ اکبر

وہ اشعار جو شاعر نے ایڈیٹر معارف کے نام خطوط مین گاہ گاہ لکھے

سوا خدا کے کسی کا خیال آ نہ سکا، ۔۔۔ غمون نے کام دیا دل کی پاسبانی کا

اپنے غمخانے کا دروازہ کرو بند اکبر ۔۔۔ اب نہین کوئی سوا موت کے آنے والا

دنیا سے تعلق کیا رکھون کیون زحمت اُٹھاؤن اسکے لیے؛ ۔۔۔ دل کہتا ہی اور سچ کہتا ہی کے دن کیلئے اور کسکے لیے

وہ چمن ہی جل گیا جس مین لگائے تھے شجر ۔۔۔ اب تجھے پاکر مین اے بادِ بہاری کیا کرون

جان ہی کا جسم مین رہنا ہی مجھکو ناگوار ۔۔۔ دوستون سے ادعائے دوستداری کیا کرون

غزل فارسی

غیر مطبوع

گرچہ تاراج دل و دین کردہ ۔۔۔ عاشقان را دین و ایمانی ہنوز

تیر تو از سینۂ دل خستگان ۔۔۔ بر نمے آید بآسانی ہنوز

دین و دل خود آشکارا بردہ ۔۔۔ ہمچنان از دیدہ پنہانی ہنوز

کشتہ صد رہ در و ہجرم وین عجب ۔۔۔ زندہ ام دارد گران جانی ہنوز

نیمۂ از وصف تو کم کردہ ام ۔۔۔ خوب تر از ماہ کنعانی ہنوز

شبلیا چون زلف او ہم در وصال ۔۔۔ جمع گشتی و پریشانی ہنوز

رجسٹرڈ اے نمبر ۱۸۷

مجلد اول | ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء | عدد چہارم

فہرس مضامین